آخری نظام کے دور کی ریاست حیدرآباد کا جغرافیائی خاکہ

مغربی گھاٹ اور مشرقی گھاٹ کے درمیان ایک تکونی شکل کی سطح مرتفع واقع ہے جو سطح مرتفع دکن کہلاتی ہے' اسی کے وسط میں ریاست حیدرآباد واقع تھا۔ تراسی ہزار مربع میل پر محیط ۱۶ ضلعوں اور چار صوبوں پر یہ ریاست مشتمل تھی اور یہ ریاست ممالک محروسہ سرکار عالی کہلاتی تھی۔ زبانوں کے اعتبار سے کرناٹک' مرہٹواڑہ' تلنگانہ تین حصوں میں منقسم تھی (لسانی بنیادوں پر تقسیم کی بنیاد پر یہ تینوں علاقے تقسیم ہوگئے اور اب آندھراپردیش (تلنگی) حکومت کرناٹک میسور (کنڑی) حکومت مہاراشٹرا (مرہٹی) میں ضم کردئے گئے۔ اس ریاست میں ۵ دریائیں تھیں جو دریائے گوداوری' دریائے کرشنا' دریائے پورنا' دریائے مانجرا اور دریائے مانیر کے ناموں سے موسوم تھیں اور پہاڑ بھی پانچ تھے۔ سیادری پربت' بالاگھاٹ' یامنی گڑھ' راکی گڑھ' کندیکل گڑھ۔ ندیاں' جھیل اور تالاب اور باؤلیاں بھی پینے کے پانی اور زراعت کے لئے معاون حیثیت کے حامل تھے۔

ریاست حیدرآباد ایک زرعی ملک تھا اس کی ۹۰ فیصد آبادی کھیتی باڑی کرکے گذر بسر کرتی تھی۔

نیشکر' گورانی روئی' تمباکو' ارنڈی' کمبودیا روئی' ہڈیوں کی کھاد' ریشم کے کیڑے' میووں کے باغات' ترکاری کے کھیت کے علاوہ اناج (غلہ) میں چاول' گیہوں' جوار' باجرا' مکئی' ارد' مونگ' تل' جو' چنا' کرڑ' السی کی پیداوار شامل تھی۔ سال میں دو فصل ہوتے تھے (۱) خریف (۲) ربیع۔

میووں میں آم' امرود' بیر' جامن' سیتا پھل' انجیر' سنگترے' نارنگی' خربوزے' تربوز' کھیرے' سنگھاڑے' کویٹ' رام پھل' منجل' گیگل اور روغنی تخم میں السی' ارنڈی' مونگ پھلی اور

بنولہ شامل ہیں۔

ریاست کے گھنے جنگلات میں کارآمد لکڑی بکثرت پائی جاتی تھی ۔ ساگوان' بیجا سر' آبنوس' شیشم ساتھ ہی ان جنگلات سے ٹسر' شہد' موم' لاکھ' گوند' روسہ' نیل' ببول' سیاہ ہلیلہ' تروڑ' املتاس' کسم کے درختوں کی چھال پتے اور گوند سے بھی حکومت کو بڑی آمدنی ہوتی تھی۔

ان گھنے جنگلات میں شیر' چیتا' تیندوا' جنگلی سور' بھیڑیا' جنگلی بکری' بندر' ریچھ' گیدڑ' ارنا بھینسا' نیل گائے' سانبھر' چیتل' ہرن' بارہ سینگھے اور پرندوں میں' تیتر' بٹیر' کبوتر' بلبل' طوطا' مینا' کویل' فاختہ' مرغابی' سارس' سرخاب' قاز' بط' اسناف' ہریل' شکرا' باز بکثرت پائے جاتے تھے۔

معدنی ذخائر میں کوئلہ' سنگ سیلو' سونا' گرانائیٹ' لوہا' تانبا' ابرک' پوٹاش' سفید کھریا' بلفم' گیرو' کوئلہ شامل ہیں۔

ممالک محروسہ سرکار عالی کی صنعت وحرفت میں (یعنی دستکاری میں پیتھمبر' ریشمی کپڑے ہمرو' مشروع' کمخواب' ریشمی اور سوتی ساڑیاں' ٹسر کے کپڑے' تیلیا اور سادہ رومال' قالین' چاندی کے تار کا کام (کریم نگر جال کا کام) بدری صنعت' پیتل کے برتن' دیسی کاغذ' کپڑا بننے کی صنعت' روئی صاف کرنے اور روئی سے دھاگہ بنانے کی صنعت' سونے کے زیورات' جڑوائی زیورات کی صنعت' سگریٹ' دیا سلائی' سمینٹ' شکر سازی' کانچ' چینی کی صنعت انگریزی اور مغلائی کویلو سازی کی صنعت' اعلی معیاری کپڑوں کی تیاری کو صنعت' اسبسطاس کی صنعت اور دیگر ہر اہم قومی ضرورت کی کفالت کرنے اور برآمد کے ذریعے ریاست کی معیشت کو مستحکم بنانے میں ان صنعتوں سے کافی مدد ملی اور ریاست کی تیار کردہ یہ اشیاء آج بھی ساری دنیا میں شہرت رکھتی ہے۔

رسل ورسائل میں بیل گاڑی سے ہوائی جہاز تک کی سہولتیں شہریوں کو حاصل رہیں۔ محکمہ صنعت وتجارت' محکمہ زراعت' محکمہ اعداد وشمار' محکمہ تعلیمات' محکمہ طباعت' محکمہ ٹپہ' محکمہ بلدیہ' محکمہ پولیس' محکمہ سمکیات' محکمہ جنگلات' محکمہ آبپاشی' محکمہ آب رسانی غرض ہر شعبہ حیات سے متعلقہ محکمہ اپنے مفروضہ فرائض' ایک ترقی یافتہ حکومت کی اساس پر انجام دیتے رہے۔

مخفی مبادسارے ہندوستان کی ریاستوں میں ریاست حیدرآباد وہ واحد ریاست تھی جس کا سکہ' ٹپہ' ریل' پولس' فوج کا تعلق انگریزوں کے سکہ' ٹپہ' پولس' فوج اور ریل سے الگ

اور آزادانہ تھا۔

یہ امتیاز صرف ریاست حیدرآباد کو حاصل تھا، ریاست کے رقبہ، آبادی، وسائل معاش اس کا مستحکم مالیہ اور حسن انتظام کے لحاظ سے انگریزوں کے لئے بھی ریاست حیدرآباد ایک قابل رشک ریاست رہی۔

اس شہر کی بنیاد محمد قلی قطب شاہ نے ۹۹۹ ہجری میں ڈالی، قطب شاہوں سے ساتویں نظام تک اس سابق فصیل بند شہر میں چار مینار، مکہ مسجد، جامع مسجد، دارالشفاء، گولکنڈہ، عثمانیہ دواخانہ عدالت العالیہ کی عمارتوں کے علاوہ تعلیم کے مسئلہ میں ہر ضلع میں مدارس اور شہر حیدرآباد میں سٹی کالج اور جامعہ عثمانیہ کے قیام نے ایک تاریخی رورل ادا کیا۔ جامعہ عثمانیہ جو عثمانیہ یونیورسٹی کہلاتی ہے اس یونیورسٹی میں جملہ علوم بشمول سائینس کی ڈاکٹری کی تعلیم کا اعلیٰ انتظام کیا گیا اور مادری زبان (زبان اردو) میں تعلیم کا انتظام و انصرام عمل میں آیا، اس یونیورسٹی کی شہرت چاردرانگ عالم میں پھیل گئی، سارے ہندوستان کے لائق ترین لوگ اس جامعہ میں درس و تدریس کی خدمت پر مامور کئے گئے، جامعہ عثمانیہ کے قیام سے کالج کی سطح کی تعلیم کو بڑا فروغ حاصل ہوا اور اس مادر جامعہ کے سپوتوں نے دنیا میں اپنی مادر جامعہ کے نام کو روشن کیا۔ ملک میں ہر طرف امن وامان تھا۔ ہندو اور مسلمان بھائی بھائی کی طرح زندگی گذارتے تھے، ریاست کا وزیر اعلی (صدر اعظم) ہندو طبقہ سے متعلق ہوتا، اضلاع میں پٹیل پٹواری اور پولس پٹیل کی جائیدادیں ہندوؤں کے لئے وقف تھیں، مسلم اوقاف سے ہندو اوقاف کی آمدنی ۷۰ فیصد بڑھی ہوئی تھی۔

سیاسی جغرافیہ

آخری تاجداری دکن انگریزوں کے یار وفادار تھے اور انگریزوں کے ہر اشارے پر ناچتے تھے، فرانسیوں سے انگریزوں کی جنگ ۱۹۵۷ء کی جنگ آزادی اور ٹیپو سلطان شہید کے سلسلے میں جو کچھ سلطنتِ آصفیہ کے فرمانرواؤں نے کیا وہ داغ تاریخ کے صفحات سے مٹ نہیں سکتا۔ مگر اس کے باوجود نظام الملک آصف جاہ اول بانی مملکتِ آصفیہ کے دور میں جس ریاست کے حدود سرنگا پٹنم، مچھلی پٹنم، برہان پور، برار وغیرہ کے علاقوں پر مشتمل تھی۔

انگریزوں نے اس وسیع مملکت کو اپنی حکمت اور چالاکی سے اتنا مختصر کر دیا کہ یہ ریاست صرف ۱۶ اضلعوں پر مشتمل باقی رہ گئی۔ اگرچہ دوسری جنگ سے قبل برار کو معاہدے کی صورت میں ریاست حیدرآباد میں شامل کر دیا گیا۔ جب برار کو معاہدے کے تحت (بغیر اختیار و انتظام) نظام کی ریاست کا جز قرار دے دیا گیا تو نظام نے بڑے فخر سے اعلان کیا کہ:

''برار حیدرآباد کا جز لاینفک ہے' حالانکہ یہ جز کل سے جڑا نہیں بہرحال حیدرآباد اور برار کی شمولیت کے مفروضہ کے پس منظر میں ۱۰۰۴۵۹ مربع میل پر ریاست مشتمل ہوگئی اور اس کی آبادی ۱۷۸۷۲۹۸۶ تھی۔ اس علاقے کو شامل کئے بغیر سلطنت کا رقبہ ۸۲۶۹۸ مربع میل تھا' اس کی آبادی (۱۹۳۱ء کی مردم شماری کی روشنی میں) ۱۴۴۳۶۱۴۸ تھی۔

سلطنت کے رقبہ کا ۵۰ء۵۸ فیصد خالصہ یا دیوانی علاقہ تھا اور باقی صرف خاص' پائیگاہوں' سمستانوں' جاگیرات' انعامات پر مشتمل تھا۔ ریاست حیدرآباد میں مواضعات کی تعداد تخمیناً ۲۲۵۰۰ اور اس کی مجموعی آمدنی ۹۱۳۶۶۰۰۰ سالانہ تھی' حیدرآباد کی کل آبادی کا تناسب اس طرح تھا:

ہندو ۹۶۹۹۶۱۵۔ مسلمان ۱۵۳۴۶۶۶۔ عیسائی ۱۵۱۳۸۲۔ جین ۲۱۵۴۳۔ سکھ ۵۱۷۸ پارسی ۱۷۸۴۔ آریہ سماج ۳۷۰۰۔ برہموسماج ۱۸۲۔ ادی ہندو ۲۴۷۳۲۳۰ پر مشتمل تھی۔

حیدرآباد کو اگرچہ ہندوستان کے انگریز حکمرانوں نے دیسی ریاست کا نام دیا تھا لیکن اپنی وسعت آبادی' دولت کے قدرتی ذرائع' صنعت و حرفت' علم و فضل' تہذیب و تمدن کے لحاظ سے کامل اور آزاد مملکت کی پوری صلاحیتوں کی حامل ریاست تھی' رقبہ کے لحاظ سے یہ یوروپ کی اکثر آزاد اور خود مختار سلطنتوں سے بڑی اور بعض بڑی بڑی سلطنتوں کے برابر تھی' قدرتی ذرائع زراعت' معدنیات' جنگلات کی نعمتوں سے مالا مال اور مالی استحکام کی حامل' لیکن انگریزوں کی پوری گرفت میں۔

نظام اور ان کے اجداد انگریزوں کے ہمیشہ وفادار و تابعدار رہے اور ہر عوامی انقلاب کے موقعہ پر عوامی طاقت کو کچلنے اور انگریزوں کے اقتدار کو مستحکم بنانے میں رقمی اور فوجی مدد کی اور اسی قومی غداری کی مسرت میں یار وفادار سلطنت برطانیہ کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔ ریاستی نظم و نسق برطانوی نمائندے (وایسرائے) کے مشورے سے مقرر کردہ وزیر اعظم کے مشورے سے

حکومت چلتی تھی۔

حکومت نظام کی سیاسی حیثیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ برطانوی حکومت کا نمائندہ قلب شہر میں معہ فوج (Residen Cyfort) سلطان بازار میں قیام پذیر رہتا۔

ساتھ ہی برطانوی مفاد کی حفاظت کے لئے سکندرآباد' ترملگیری' لالہ گوڑہ اور دیگر مقامات پر انگریزوں کی فوجی چھاؤنیاں قائم تھیں۔ اس فوج میں ہندو' راجپوت' ڈوگرا اور سکھ فوج متعین تھی۔

حکومت آصفیہ انگریزوں کی کٹ پتلی حکومت تھی' ہر صدر اعظم وائسرائے کا منتخب اور مقرر کردہ ہوتا۔ یہ وہ شخصیتیں ہوتیں جو حکومت برطانیہ کے وفادار نمک خوار ہوتے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ ریاست پوری طرح انگریزوں کے ایماء واشارے کی محتاج ہوتی۔

''وزیراعظم کو صدر اعظم پریسیڈنٹ آف دی کونسل کہتے تھے۔

صدر اعظم کا تقرر نظام کرتے تھے مگر وائسرائے یا Crown Representatiue کے مشورہ سے اس واسطے صدر اعظم حیدرآباد گورنمنٹ برطانیہ کے اثر سے بے نیاز نہیں ہوسکتا تھا' یہ بہت پرانا طریقہ چلا آ رہا ہے۔ تھا لیکن لارڈ ریڈنگ کے زمانہ میں کسی ناسمجھ مشیر کے مشورہ سے حضور نظام نے ایک خط وائسرائے کو لکھ دیا جس میں معاہدے جات کی بناء پر حضور نے برٹش حکومت کے ساتھ مساوات اور برابری کا مرتبہ تسلیم کرنا چاہا' یہ بات انگریزی حکومت کو گراں گذری اور ستم یہ کیا کہ اس خط کو اخبارات کو دیدیا' اس سے ناگواری ہوئی' لارڈ ریڈنگ نے ایک سخت خط نظام کو لکھا جس کا منشا یہ تھا کہ ان کی حیثیت بالکل اور والیان ملک کی حیثیت کے برابر ہے' برٹش حکومت سے کوئی سوال مساوات کا پیدا نہیں ہوتا۔ اس کے بعد نظام کے اختیارات پر مزید قیود لگائے گئے' ایک انگریز آئی' سی' ایس وزیر جو حکومت ہند کا تجویز کردہ ہوتا تھا' حضور نظام مقرر کرتے تھے اور ہمیشہ پولس مالگذاری اور جنرل ایڈمنسٹریشن کے محکمہ جات اس کے حوالہ کئے جاتے تھے۔ اس طرح برٹش حکومت کا ایک افسر حکومت حیدرآباد کے دروبست پر اثر انداز ہوتا تھا' اس واقعہ سے پہلے فقط وزیراعظم کا تقرر وائسرائے کے مشورے سے ہوتا تھا' اب دوسرے وزراء کے تقرر میں بھی ریزیڈنٹ سے مشورہ لازمی ہوگیا۔

’’میں نے وہ معاہدے دیکھے ہیں جو زمانہ سابق میں برٹش اور حیدرآباد کے درمیان ہوئے ہیں‘ ان کی عبارت ایسی ہی ہے جیسی دو برابر کی حکومتوں میں ہونی چاہئیے لیکن Might is Right یا ہماری زبان میں ’’جس کی لاٹھی اس کی بھینس‘‘ پہلے بھی صحیح تھا اور آج بھی ہے۔ ہمیشہ صحیح رہے گا۔ زبردست ناانصافی کے واسطے سینکڑوں بہانے بناتا ہے اور زیردست منہ تکتا رہ جاتا ہے۔‘‘

(حوالہ: یادایام از نواب صاحب چھتاری‘ ص ۶۳ تا ۶۵)

اس طرح ۱۵/اگست ۱۹۴۷ء تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔

◆◆◆

حیدرآباد میں آبادی کا تناسب؟

سرعلی امام کی تحریک کے احیاء کیلئے قائدملت کی کوششیں

برصغیر کی سب سے بڑی ریاست، جس کو سلطنت کہا جاتا تھا جس کا رقبہ ۸۲۶۹۸ مربع میل تھا اور اس کی آبادی ۱۴۴۳۶۱۴۸ نفوس پر مشتمل تھی، ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے لحاظ سے ہندو ۹۶۹۹۶۱۵، مسلمان ۱۵۳۴۶۶۶، عیسائی ۱۵۱۳۸۲، جین ۲۱۵۴۳، سکھ ۵۱۷۸، پارسی ۱۷۸۴، آریہ سماج (ہندو) ۳۷۰۰، برہموسماج (ہندو) ۱۸۲، ادی ہندو (ہندو) ۲۴۷۳۲۳۰ تھی۔

اس پس منظر میں، سرعلی امام نے اقلیت کو اکثریت میں متبدل کرنے کا ایک عظیم منصوبہ بنایا مگر یہ تحریک پروان نہ چڑھ سکی اور اس تحریک کو سیاسی موت کی آغوش میں سلادیا گیا۔

فراست کا تقاضا تھا کہ دکن میں مسلمانوں کی اقلیت سے پیدا شدہ مسائل کے حل کے لئے اس کام کی تکمیل کی جائے جس کی بنیاد سرعلی امام نے رکھی تھی۔

۱۹۳۸ء میں علاقہ ترکستان کے کئی ہزار جلاوطن تبت کے راستے کشمیر آئے، کشمیر کے راجہ نے ان مظلومین کا قافیہ حیات تنگ کردیا، اس مسئلہ کی یکسوئی، ملی اور سیاسی ہر دو نقطۂ نظر سے قائد ملت کی توجہ کی محتاج تھی۔

قائدملت نے صدراعظم باب حکومت سراحمد سعید خاں نواب صاحب چھتاری کو اس مسئلہ کی اہمیت سے آگاہ کرتے ہوئے جو جملہ تحریر فرمایا تھا وہ اس مسئلہ کے حل کی ملی اور سیاسی اہمیت کی کامل وضاحت کا مظہر تھا کہ:

”یقین دلاتا ہوں کہ آپ کی یہ خدمت تاریخ حیدرآباد میں ہمیشہ یادگار رہے گی۔ اپنے اس تاریخی مکتوب میں قائدملت نے نواب صاحب چھتاری کو اس مسئلہ کے پس منظر اور اہمیت سے آگاہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا تھا:

ایک خاص مسئلہ کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرنا چاہتا ہوں' آپ نے اخبارات میں پڑھا ہوگا کہ قازق علاقہ ترکستان کے کئی ہزار جلاوطن تبت کے راستے کشمیر میں وارد ہوئے ہیں' حکومت کشمیر نے تو ان پر بہت سے مظالم کئے لیکن حکومت برطانیہ نے اخباری اطلاعوں کے مطابق ان کو ہندوستان میں آباد کر لینے کا ارادہ کرلیا ہے' میرے خیال میں یہ بہترین موقع ہے کہ حیدرآباد ان پر اپنے دامن کا سایہ پھیلا دے' تھوڑا شور ضرور مچے گا لیکن کامیابی یقینی ہے اور فوائد ظاہر ہیں' آصف آباد اور نظام آباد میں ہزاروں ایکڑ اراضی افتادہ پڑی ہیں اور وہاں ان کو آسانی سے آباد کیا جاسکتا ہے' بیشک ابتدائے کار میں تھوڑا روپیہ بطور تقادی وغیرہ خرچ کرنا پڑے گا۔ضرورت صرف تھوڑی فراست اور جرأت کی ہے جس سے کام بہ آسانی پورا ہوسکتا ہے' میری رائے میں حکومت کے سامنے اس مسئلہ کو رکھنے سے قبل اگر جناب حکومت برطانیہ سے اپنے طور پر گفت وشنید فرمائیں اور اس کو آمادہ کرلیں تو بہت مناسب ہوگا' میں اس کام کی طرف آپ کی خاص توجہ کا متمنی ہوں اور یقین دلاتا ہوں کہ آپ کی یہ خدمت تاریخ حیدرآباد میں ہمیشہ یادگار رہے گی اور آپ اس کام کی تکمیل کریں گے' جس کی بنیاد سر علی امام مرحوم نے رکھی تھی' میری دعا ہے کہ خدا آپ کو اس کی توفیق وطاقت عطا فرمائے۔

(حوالہ: خط موسومہ نواب صاحب چھتاری' ص:۲۸۲ مکتوب نمبر ۲۵۶' مشمولہ: مکاتیب بہادر یار جنگ)

اسی طرح افریدیوں اور مہمندوں اور خٹک کے عوام کو بھی وہ دکن کی سلطنت سے قریب کرنے کی کوششوں میں رہے ایک خط میں اپنی اس تمنا کا اظہار فرمایا تھا کہ:

''میری اپنی تمنا ہے کہ افریدیوں اور مہمندوں کی طرح قوم خٹک کے تعلقات بھی دکن کی اسلامی سلطنت سے قائم ہوں' میں اس کے لئے کوشش کرونگا''۔

اپنے ایک مکتوب (خط نمبر ۵۲ مکاتیب بہادر یار جنگ جلد دوم) میں حیدرآباد میں مسلم آبادی کے اضافے کے ضمن میں وضاحت فرماتے ہیں:-

''پٹھانوں کی بھرتی کی نسبت کوشش جاری ہے' پائیگاہوں اور صرفخاص کو بھی آمادہ کیا جارہا ہے' مسلم آبادی میں اضافے سے متعلق بھی ایک سے زیادہ تجاویز پیش ہیں۔''

روسی علاقہ قازستان کے جلاوطن مسلمانوں کو بازآبادکاری کے ضمن میں بھی قائد ملت نے

کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ مگران کی ساری کوششیں ناعاقبت اندیش حکمران وقت اور خودغرض ارباب حکومت کی ابلہ فریبی کے باعث شرمندہ معنی نہ ہوسکے۔

اپنے مکتوب (مکتوب نمبر ۱۴۲ مشمولہ مکاتیب بہادریار جنگ جلد دوم) میں قازق جلاوطنوں کی بازآبادکاری کے ضمن میں حکومت کی سردمہری پر اپنے تلخ احساسات کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

''قازق جلاوطنوں کی نسبت وعدے کئے گئے ہیں لیکن عقل وجرأت کی کمی ہے' بیشک اب وقت آ گیا ہے کہ انتظار کے بغیر اس خودغرضی اور ابلہ فریبی کی دنیا کے زمین وزماں کو برہم کردیا جائے۔ خدا وہ وقت جلد لائے''۔

◆◆◆

اعلیٰ حضرت جلالۃ الملک سلطان العلوم
شمس الملۃ والدین شاہ دکن و برار خلد اللہ ملکہ وسلطنتہٗ

سلطنت آصفیہ کے ساتویں اور آخری فرماں روا نواب میر عثمان علی خاں صاحب تھے جن کے القاب بے شمار تھے۔ دور شہزادگی میں ان کی تعلیم و تربیت مثالی ہوئی' وہ انگریزی' فارسی' اردو اور عربی پر عبور رکھتے تھے' ان کا مطالعہ وسیع تھا۔ اپنے وقت کے لائق ممتاز علماء و اساتذہ سے انہیں استفادے کا موقعہ نصیب ہوا' شاہی خانوادے میں شاہی آداب اور امور مملکت کے رموز سے آگاہی کے باعث انہیں خود بادشاہ بن جانے کے بعد کسی رہبری و رہنمائی کی ضرورت لاحق نہ ہوئی۔ درباری سازشوں اور سازشوں کے عواقب و نتائج سے بے خبر بھی نہ تھے۔ اگر بے خبر ہوتے تو آصفی سلطنت کے جائز حق دار چھٹے بادشاہ نواب میر محبوب علی خاں کے جائز وارث نواب بسالت جاہ بادشاہ وقت ہوتے۔ بادشاہ بنتے ہی ان تماموں کو بے آبرو کیا جنہوں نے جان کی بازی لگا کر انہیں تخت پر بٹھایا تھا۔

چوں کہ ملوکیت کے شیطانی تصور نے مسلمان کو بادشاہ کا پرستار بنادیا اس لئے ان کی ذات دکن کے مسلمانوں کے نزدیک قابل پرستش بن گئی۔ دکن کے مسلمان سے زیادہ سادہ لوح مسلمان دنیا کے کسی گوشے میں نہیں تھا' پوری ریاست کی رعایا پر جو حکومت کے خزانے پر خرچ آتا تھا۔ اس سے دو چند نظام کے ذاتی خزانے میں جاتا تھا' دولت سونا چاندی ہیرے جواہرات کے مالک کی حیثیت سے دنیا کے متمول ترین انسانوں میں راک فیلر کے بعد ان کا شمار ہوتا تھا۔ نذرانوں کے ذریعے رقم جمع کرنا' صاحب حیثیت امراء عظام کی موت کے بعد ان کی دولت کو داخل خزانہ کرلینا' یہ ایک طویل تعارفی داستاں ہے جو بیسویں صدی کے متمول ترین لیکن کنگال بادشاہ کی ذات سے وابستہ کہانی ہے۔

ممالک محروسہ سرکار عالی کی ہر مسجد میں خلفا کے ناموں کے بعد سرکار عظمت مدار قاقان ابن قاقان، سلطان ابن سلطان نواب میر عثمان علی خاں کا نام لیا جاتا تھا۔

جمعہ کے خطبہ میں اس شخص کا نام لیا جاتا تھا جس کی بیویوں کی تعداد ان گنت تھی جس کے خواص لاتعداد تھے اور بن خواص (جو تمتع بیجا کے لئے محل میں لائے گئے مگر جن سے نظام کا جسمانی تعلق پیدا نہ ہوا۔ وہ بھول گئے کہ کسی کو پسند کر کے میں نے محل میں داخل کرنے کا حکم دیا تھا)

عام طور پر دعوتوں اور اجتماعات میں کسی عورت پر نظر پڑ جاتی تو حکم ہوتا کہ داخل محل کر دی جائے۔ دو سگی بہنیں بھی حرم سرا میں بیوی کی حیثیت سے شامل تھیں، ضعیفی کے دور آغاز میں گلبرگہ کی ایک طوائف کو شریک حرم فرمالیا۔ نظام کے خانگی معاملات میں انگریزوں نے بھی کبھی مداخلت نہیں کی اور رعایا میں کس کی مجال تھی کہ انگلی اٹھاتے، تحتانیہ سے فوقانیہ تک اسکول شروع ہونے سے قبل حمد باری تعالیٰ پڑھی جاتی تھی جو بعد میں یہ نظم۔

تا ابد خالق عالم یہ ریاست رکھے
تجھ کو عثمان بصد اجلال سلامت رکھے

جیسے تو فخر سلاطیں ہے بفضل یزداں
یوں ہی ممتاز تیرا خانہ دولت رکھے

پڑھی جانے لگی۔

امراء دولت آصفیہ، اہل علم، علمائے اکرام سے ربط و تعلق کی اہمیت اور جنگ کے خطاب سے نوازنے، منصب اور وظیفہ مقرر کرنے، تعریفی کلمات اور تعریف و توصیف کے ذریعے اپنے تعلق خاطر کو ہمیشہ باقی و برقرار رکھا اور اندرونی طور پر ہر قابل ذکر شخص کے شخصی و خاندانی حالات اور اس کے اثرات سے انہوں نے ذاتی طور پر واقفیت رکھی۔ عام طور پر یہ درباریوں سے ''تو'' سے مخاطب ہوتے اور ذرا درجہ دینا ہوتا تو تم آپ کا لفظ مشکل سے ان کی زبان سے ادا ہوتا۔ گفتگو کا لہجہ نہایت کرخت تھا۔ مختصر یہ کہ:

ذات ایسی جیسے گناہ سڑتے ہوں
بات ایسی جیسے گنوار لڑتے ہوں

کنگ کوٹھی میں ان کا محل تھا (جو نذری باغ کہلاتا تھا) جس میں یہ رہتے تھے، ہر طرف کچرا پڑا ہوا۔ گرد، مکڑے کے جالے، لباس میلہ، کبھی لنگی اور گریبان کھلا ہوا قمیص، ان کے محل کا سراپا، خود ان کے وزیر کے قلم سے بیان ہوا ہے۔

''اسی زمانہ میں حضور نظام کچھ علیل ہو گئے اور میں بجائے دفتر پیشی کے نذری باغ میں حاضر ہوا۔ مجھے یہ بھی اجازت دیدی گئی تھی کہ بغیر دستار بکلوس حاضر ہوں۔ حیدرآباد کے آداب کا یہ حصہ تھا کہ نظام کے سامنے جو کوئی جائے وہ دستار بکلوس لگائے۔ مہمان اس سے مستثنیٰ تھے اور بغیر دستار بکلوس حاضر ہونے کی اجازت ایک طرح کا اعزاز خیال کیا جاتا تھا، میرا موٹر مہتابی تک گیا۔ میرے ۱۶/جون ۴۳ء کے روزنامچے میں درج ہے۔

سرکار نے علالتِ مزاج کی وجہ سے نذری باغ میں یاد فرمایا، میں نے موٹر سے اترتے ہی دیکھا کہ تمام کمرے، برآمدے اور مہتابیاں مختلف قسم کے سامان سے بھری پڑی ہیں۔ بکس، صندوق، بستے، پوٹلے، جملہ اقسام کی چیزیں انہی کے ساتھ بوتلیں اور مرتبان رکھے ہوئے ہیں، ان پر گرد چڑھی ہوئی ہے، مکڑیوں کے جالے لگے ہوئے ہیں، کبوتروں کی بیٹ پڑی ہوئی ہے۔ خدا جانے کتنے عرصہ سے یہ چیزیں اپنی جگہ پر رکھی ہوئی ہیں۔ آگے بڑھا تو ایک بڑا بکرا کھڑا ہوا پتے کھا رہا تھا۔ اس موقع پر اس کی شان نزول کی کوئی وجہ میری سمجھ میں نہیں آئی۔ بعد کو معلوم ہوا کہ اس بکرے کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی اس وجہ سے وہ بطور پنشن خوار یہاں رہتا ہے، یہ پہلا موقع تھا جو بغیر دستار بکلوس کے حاضر ہوا۔ چھوٹے برآمدے میں سرکار ایک کرسی پر بیٹھے تھے اور سامنے ایک کرسی گول سیٹ کی رکھی ہوئی تھی جس پر سلام کر کے میں بیٹھ گیا۔ میں نے آداب کے بعد امام ضامن پیش کیا، سرکار بہت کمزور نظر آتے تھے، فرمانے لگے کہ مجھے دست بھی آتے ہیں اور سو بخار بھی ہے۔

میں نے دیکھا کہ اس برآمدے میں بھی بہت سے مقفل سربمہر صندوق اور سربمہر زرد رنگ کی تھیلیاں رکھی ہیں۔

(حوالہ: یادِ ایام حصہ سوم نواب صاحب چھتاری، ص: ۱۳۹۔۱۴۰)

ہوش بلگرامی جو نظام کے ۲۰ سال تک درباری رہے (جن کا تذکرہ آئندہ صفحات پر

مطالعہ میں آئے گا) انہوں نے اپنی کتاب ''مشاہدات'' میں نظام کے درون خانہ کی بابت جو باتیں لکھی ہیں اس سے قبل دربار عثمانی کے زیرِ عنوان لکھا ہے کہ:

''بیس سال تک بلا ناغہ دربار عثمانی میں حاضر رہا اس نے وہاں دن کے اجالوں اور رات کی تاریکیوں میں کیا کچھ نہ دیکھا ہوگا۔'' (حوالہ: مشاہدات، از: ہوش بلگرامی: ص:۱۸۲)

اب ہم مشاہدات کی روشنی میں نظام کے حال واحوال سے آگاہی حاصل کریں گے۔

اعلیٰ حضرت میر عثمان علی خاں بہادر:۔

سال ۱۹۱۱ء مختلف تقریبوں کا گلدستہ بنا ہوا تھا اور کہیں ارضی وسمادی حادثات سے زیروزبر ہورہا تھا، دہلی میں جارج پنجم کی تاجپوشی ہورہی تھی اور حیدرآباد میں نواب میر عثمان علی خاں بہادر آصف جاہ عاشر بن رہے تھے۔

مسند آرائے حکومت ہونے کے تین ہی سال کے اندر پہلی جنگ عظیم ہوئی اور برطانوی حکومت کے لئے موت وزیست کا سوال اس لئے پیدا ہوگیا کہ ترکی برطانیہ سے برسرِ پیکار ہوگیا تھا جس کے سلطان کو مسلمانانِ عالم اپنا خلیفہ مانتے تھے، ایسے نازک موقعہ پر اعلیٰ حضرت نے اپنے اثرات کو استعمال کرکے ہندی مسلمانوں کو سلطنتِ برطانیہ کی وفاداری پر ثابت قدم رہنے کی تلقین فرمائی اور تمام مالی و مادی ذرائع بھی برطانیہ کے لئے وقف کردیئے۔ ان خدمات کا صلہ یہ ملا کہ استرداد برار کے مسئلہ کا انکاری فیصلہ لارڈ ریڈنگ نے فریق اور جج دونوں حیثیتوں سے کردیا۔ جب یہ مسئلہ کمیشن کے سپرد کرنے کے لئے لکھا گیا تو اس کو بھی اس استدلال سے نامنظور کردیا گیا کہ اقتدار اعلیٰ کے مقابلہ میں ایک تابعانہ حیثیت رکھنے والی ریاست کو کب ایسا حق پہنچتا ہے۔ اس کے باوجود اعلیٰ حضرت نے مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا گو کچھ نہ ہوا مگر اعلیٰ حضرت اپنے حق سے دستبردار نہیں ہوئے۔ لارڈ ریڈنگ کے فیصلہ نے ایک عارضی خاموشی تو طاری کردی مگر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ برار کا ملک تو نہ ملا مگر برطانیہ نے اتنی سیادت منظور کرلی کہ سالگرہ کے موقع پر پرچم آصفی لہرایا جائے، نواب اعظم جاہ بہادر کو ''ہز ہائی نس پرنس آف برار'' کے لقب سے پکارا جائے۔

آصفجاہ سابع (سلسلہ کے لحاظ سے عاشر) نے چوں کہ شاہی محل میں پرورش اور تربیت

پائی تھی، جہاں ''جو حکم'' کے سوا اور کوئی الفاظ کانوں نے نہ سنے تھے اس لئے طبعیت کا اتار چڑھاؤ حکومت واقتدار کا تقاضا تھا۔شعور پیدا ہوتے ہی:-

اے زر تو خدا نیست و لیکن بخدا
ستار العیوب و قاضی الحاجات

ولیعہدی کے زمانے میں جو جیب خرچ ملتا تھا اس نے پس اندازی کی عادت ڈالی تھی۔ جب حکومت ملی اور دیڑھ کروڑ سالانہ کے صرف خاص پر بلاشرکت غیرے قابض ہوئے تو اس کو بڑی احتیاط سے صرف کیا۔

جیب خرچ :-

پرنس اعظم جاہ اور معظم جاہ کے لئے شادی سے قبل جیب خرچ اس لئے مقرر نہ کیا گیا تھا کہ کہیں یہ فضول خرچیوں کے عادی نہ ہو جائیں، بیویوں اور خواصوں کو بھی صرف ضروریات زندگی سے مطمئن رکھا گیا، یہ تو اولاد اور بیویاں تھیں، خود ذات اقدس نے کب ''چھکے پنجے'' کی زندگی بسر کی، کب امارت کی سنتوں پر عمل کیا اور کب شاہان سلف کی طرح دولت لٹائی۔ وہ راستہ اختیار کیا جو اپنا تلاش کیا ہوا تھا۔

انتخاب محلات:-

''اگر پدر نتواند پسر تمام کند'' کے ضرب المثل یہاں صادق نہ آ سکی جس کے باپ کے محلات میں ڈھائی سو کی بھیڑ لگی ہو اس کے بیٹے نے صرف ''پون سو'' پر قناعت کر کے مقلد دنیا پر یہ ظاہر کر دیا کہ بزرگوں کا ہر فعل قابل تقلید نہیں ہوا کرتا بلکہ حالات پر نظر کر کے قوت واستطاعت کا لحاظ کر کے عیش وراحت کی چاندنی راتوں کو دن کے آفتابی اجالے میں دیکھا جا سکتا ہے، یہ تاج و تخت کا ایک لوازمۂ عیش ہے جس کی زینت پری جمالوں کے بغیر ہوتی ہی نہیں۔

اولاد:-

ماشاءاللہ سے اعلیٰ حضرت کثیرالاولاد ہیں، آپ کی شادی شدہ محل حضرت دلہن پاشاہ (جو نواب جہانگیر جنگ مرحوم کی صاحبزادی اور نواب قدرت نواز جنگ بہادر کی ہمشیرہ محترمہ ہیں) کے بطن سے ہز ہائی نس والا شان پرنس اعظم جاہ بہادر، والا شان پرنس معظم جاہ بہادر اور شہزادی

احمد النساء بیگم صاحبہ ہیں۔ دیگر محلات سے بھی متعدد وصاحبزادیاں اور صاحبزادے ہیں۔ لیلیٰ بیگم صاحبہ کے بطن سے بھی اس وقت ماشاءاللہ کئی صاحزادے اور صاحبزادیاں ہیں۔

پرنس اعظم جاہ بہادر کی شادی معزول خلیفہ ترکی کی صاحبزادی پرنسس درشہوار سے ہوئی جن کے بطن سے پرنس مکرم جاہ اور پرنس مفخم جاہ ہیں۔

پرنس معظم جاہ بہادر کی بھی شادی بڑے بھائی کے ساتھ ہی سلطان مرادترکی کی پوتی پرنسس نیلوفر سے ہوئی جن سے کوئی اولاد نہ ہوسکی۔

ان دونوں بھائیوں کی پرورش اور تعلیم وتربیت خاندانی روایات کے مطابق ہوئی۔

اس کا افسوس ہے کہ شہزادی صاحبہ یا دوسری صاحبزادیوں کی شادیاں ابھی تک نہ ہوسکیں۔ پرنس معظم جاہ بہادر کو شاعری کا بہت ستھرا مذاق ہے جن کی صحبت میں کبھی جوشؔ بھی رہے ہیں اور فانیؔ بھی' اب نجم آفندی اپنا بڑھاپا گذار رہے ہیں' پرنس اعظم جاہ بہادر کی بھی طبعیت کبھی موزوں ہو جاتی ہے۔

بیداری:

اعلیٰ حضرت عموماً صبح چھ اور سات بجے کے درمیان سونے کے کمرے سے برآمد ہو جایا کرتے ہیں اور شہ نشین پر (ایک کرسی رکھی رہتی ہے) بیٹھ جاتے ہیں' منھ دھو کر چائے نوش فرماتے ہیں' کبھی کبھی میز خانے کے بنے ہوئے ایک دو بسکٹ کھالیتے ہیں اس کے بعد افیون کی گولیاں چائے کے گھونٹ سے حلق میں اتار لیتے ہیں۔ گیارہ اور بارہ کے درمیان دوپہر کا خاصہ اور ساڑھے سات اور آٹھ کے درمیان رات کا خاصہ نوش فرماتے ہیں' اسٹاف کی حاضری سے قبل پہرہ کے سپاہیوں سے بھی باتیں کر لیتے ہیں' ایسے سپاہیوں میں حسین خاں سپاہی سے مختلف قسم کی باتیں ہوتی ہیں۔ اس سے دوسرے سپاہیوں کے خانگی حالات دریافت کئے جاتے ہیں۔ ان کے کھانے پینے کے حالات پوچھے جاتے ہیں' ان کے لڑکے لڑکیوں کی تعداد دریافت کی جاتی ہے' شادی بیاہ کے رشتے جڑوائے جاتے ہیں اور مذہب وسیاست کے مسائل بھی ان کو سمجھائے جاتے ہیں۔

جزئیات:

بیویوں' خواصوں اور لڑکے لڑکیوں میں جب کوئی بیمار پڑ جاتا ہے اور جن کا کھانا میز خانہ

سے مقرر ہے۔سب سے پہلے جنس تولنے والے کے نام ایک پرچہ لکھا جاتا ہے کہ فلاں کا کھانا نہ پکایا جائے اور فلاں چیز پرہیزی اس مقدار میں پکائی جائے۔ دماغ کی ہمہ گیری دیکھئے کہ وہ ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی حافظہ سے محو نہیں ہونے دیتے۔

لباس:۔

بہتر سے بہتر لباس توشک خانہ میں بھرا ہے خود کرتہ پائجامہ اور نیم آستین کا کوٹ پہنتے ہیں اور خاص موقعوں پر شیروانی۔

شہ نشیں:۔

شہ نشیں کے چاروں طرف پوٹلے‘ پوٹلیاں‘ صندوق اور مختلف قسم کا سامان رکھا رہتا ہے۔ سگریٹ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ادھر ادھر پڑے رہتے ہیں جو کوٹھری بند ہوگئی وہ برسوں نہ کھلی۔کمیاب قلمی کتابیں کیڑوں کی غذا بن گئیں اور محبوب شاہی توشک خانہ میں قیمتی تھان کے تھان دیمک چاٹ گئی۔

سردی میں ’’سردیا‘‘ رہے ہیں مگر نہ کوئی کشمیری دوشالہ اوڑھتے ہیں اور نہ کوئی گرم کوٹ پہنتے ہیں۔

موسیقی:۔

آصف جاہ سابع کی انگلیاں پتلی پتلی ہیں اور یہ خود فرمایا ہے کہ یہ انگلیاں طبلہ بجانے کے لئے نہایت موزوں ہیں۔ایک مرتبہ ہز ہائی نس آغا خاں کی فرمائش سے یہ محفل گرم ہوئی تھی جہاں امراء نے بطور تصدیق اپنی اپنی مقررہ نذریں پیش کیں اور آغا خاں نے بھی کاغذی تصدق پیش کی۔ مہاراجہ بہادر اس لطف سے اس واقعہ کو بیان کرتے تھے کہ سننے والا یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے‘ کبھی کبھی گنگناتے بھی ہیں اور کرسی پر انگلیاں بھی چلتی ہیں۔

تعلیم‘ شاعری اور مذہب :۔

آصف جاہ سابع کو انگریزی تعلیم سر برائن سیجرٹن نے دی‘ علم ادب عماد الملک بلگرامی نے پڑھایا اور مذہبی درس نواب فضیلت جنگ نے دیا۔ دو استاد تو اپنے وقت اور اپنے زمانہ کے مشاہیر علماء میں سے تھے۔دونوں نے پڑھایا اور دل لگا کر پڑھایا اور دوسرے فرمانروایان ملک کی طرح

کسی کا محتاج نہ رکھا اور اپنے مافی الضمیر کو ایک خاص طرز تحریر میں ظاہر کرنے کے قابل بنا دیا۔

مذہبی تعلیم تو ''حنفی المذہب'' طریقہ سے پائی اور ضرورتاً اس کی بہت کچھ پابندی بھی کی گئی۔ مگر ''بطنی مذہب'' کی خاموش چنگاریاں خانۂ دل میں ہمیشہ چمکتی رہتی تھیں' آخر ایک وقت ایسا آیا کہ وہ چنگاریاں شعلے بن کر بھڑک اٹھیں' ہر چند نماز میں حنفی طریق عبادت ہی کو جاری رکھا گیا مگر دکن کی مذہبی دنیا کو ان کے محرمی سلاموں سے مرتضوی منصبتوں سے اہل بیت کرام کی مدح وثنا سے اور ان کے مذہبی حرکات وسکنات سے معلوم ہو گیا کہ ماں اور منھ بولی نانی کے ابتدائی اثرات تربیت کو مولوی انوار اللہ (فضیلت جنگ) کی تعلیم متاثر نہ کر سکی اور تہور جنگ کی اتالیقی ''بطنی مذہب'' کا ادب سکھا کے رہی۔ اس میں شک نہیں کہ اعلیٰ حضرت اہل بیت کے پرستار ہیں اور اس عقیدے میں اس قدر پکے اور اپنے والہانہ جذبہ میں اتنے سچے ہیں کہ نجف اشرف اور کربلائے معلیٰ کی طلائی ضریحوں کے سامنے بلاناغہ سجدہ ریز ہوتے ہیں اور ''باپ بیٹے'' کی ارواح مقدسہ سے ''عرض معروض'' کر کے اپنے مضطرب قلب کو سکون پہنچاتے رہتے ہیں۔ ان کے ''اہل بیتی عقیدہ'' سے دکن کی مذہبی دنیا بظاہر تو کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کر سکی تھی مگر بباطن اس سے کچھ خوش نہ تھی' جس کے نتائج آنکھوں سے دیکھے بھی گئے اور کانوں سے سنے بھی گئے اس عقیدے کی پیروی نے اس ذات پر سر بازار آوازے کسوائے۔ خانہ باغ میں سازشیں کی گئیں یہ سب کچھ ہوا مگر اس عقیدے کو کوئی جنبش نہ دے سکا' یہ مذہبی کردار دوسرے کرداروں پر اس قدر چھا گیا تھا جس کو دیکھ دیکھ کر میرے انسانی عقائد کی کمزوریاں حیران بھی ہوتی تھیں اور شرمندہ بھی۔

میرے کانوں نے ''سلطان الشعراء'' کے کلام میں ایسے ادبی اختراعات سنے اور میری نظروں نے ایسے شاعرانہ اجتہاد دیکھے جو نہ متقدمین کے یہاں ملے اور نہ متاخرین کے یہاں نظر آئے' تعجب ہوتا تھا کہ حکمرانی کی مصروفیتیں ادب وشعر کے لئے بھی وقت نکال لیتی تھی اور نئی نئی ترکیبوں سے دنیائے شاعری کو روشناس کر دیتی تھیں۔

امراء ہوں یا عہدیدار' مصاحب ہوں یا ہم نشیں ہر ایک کی یہی کوشش ہوتی تھی کہ داد دینے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جائے۔ میرے زمانہ میں بعض حضرات داد دیتے دیتے شہ نشیں سے پھاٹک تک پہنچ جاتے تھے۔ موٹاپے سے ہانپتے ہانپتے سر سے پیر تک پسینہ میں نہا

جاتے تھے مگر داد دینے میں اپنے ساتھیوں سے پیچھے نہ رہنا چاہتے تھے۔

شاعری کا یہ شوق کچھ آصفجاہوں ہی میں تنہا نہ تھا بلکہ قطب شاہوں کے تو رگ و ریشہ میں یہ شیرازی ذوق سرایت کئے ہوئے تھا' بہادر شاہ ظفرؔ بھی رنگون کی تنہائیوں میں اسی سے جی بہلایا کرتے تھے اور اودھ کے جان عالم بھی مٹیا برج میں نوحے مرثیے کہہ کر حسینؓ کے غم میں رولیا کرتے تھے۔ مرحوم حامد علی خاں فرمانروائے رامپور داغیوںؔ سے رشک کرتے تھے اور امیریوںؔ سے غبطہ رکھتے تھے۔ ان کے جانشیں رضاؔ پیا نے کبیری شاعری سے اس وقت رشتہ جوڑا تھا جب اس کا وہم و گمان بھی نہ تھا کہ یہی زبان آئندہ ہندوستان کی حکومتی زبان قرار پائے گی۔ دوسرے سلاطین بھی جب رنگین محلوں سے جمائیاں لیتے ہوئے برآمد ہوتے تھے تو شب گذشتہ کے واردات کا پردہ شاعری کے چونچلوں سے فاش کرتے تھے اور جب تک مصاحبین اور درباریوں سے اپنے شاعرانہ راز و نیاز کی داد نہ لے لیتے تھے اس وقت تک امور مملکت کے رازداروں کو بازیابی کی اجازت نہ ملتی تھی۔

بادشاہ اگر صرف بادشاہ ہی رہتے اور شاعری میں اپنا وقت ضائع نہ کرتے' ملکی سیاست میں کمال پیدا کرتے۔ سعدیؔ سے اخلاق کے سبق لے کر رعایا کی بہتری کے مضامین سوچتے رہتے اور اپنے نفسانی خواہشات کو شاعرانہ نواسنجیوں سے تیز نہ کرتے تو یہ فرائض ان کو شاعری سے کہیں زیادہ محبوب خلائق بنا دیتے۔

ابتدائی زمانہ میں تو ''دیوان عثمانی'' سے عام نظریں مستفید نہ ہوسکتی تھیں مگر ایک زمانہ ایسا بھی آیا کہ مقامی اخباروں کا پہلا صفحہ کلام شاہانہ سے مزین رہتا تھا اور رائے استاد جلیلؔ بھی نیچے لکھی رہتی تھی' ابتدائی کلام میں ایسا مقطع بھی موجود ہے کہ:-

سلاطین سلف سب ہوگئے نذر اجل عثماںؔ

مسلمانوں کا تیری سلطنت سے ہے نشاں باقی

مگر جب سے فارسی زبان میں طبعیت موزوں ہونے لگی تو اردو کی طرف سے توجہ ہٹ گئی' ہر لفظ کے معنی اس لئے لکھ دیئے جاتے تھے کہ عثمانیہ یونیورسٹی کے طلبہ کو نہ پروفیسروں سے پوچھنا پڑے اور نہ ''غیاث اللغات'' دیکھنا پڑے۔

خاصہ :-

غذا بہت سادہ نوش فرماتے ہیں، جس میں ایک قسم کا سالن ایک قسم کے کباب، باریک چاولوں کا ''موتیا خسکر'' پراٹھے اور شیر مال بس! ہاں بالائی ضرور ہوتی اور بہت لطیف ہوتی۔ ایک شاہ کاسہ پانی سے بھرا ہوا پاس رکھا رہتا ہے جس سے بار بار انگلیاں دھوئی جاتی ہیں اور سر جھکائے ہوئے خاصہ میں مصروف رہتے ہیں، سیب وغیرہ کے مربوں سے منہ میٹھا کر لیتے ہیں اور بالائی تو جان ہے جس کو بہت رغبت سے کھاتے ہیں اور اسی خاصہ میں سے تھوڑا تھوڑا کبھی ان کو اور کبھی ان کو سرفراز کرتے ہیں۔

سلطان الشعراء :-

استاد جلیلؔ نے ٹاؤن ہال میں ایک جلسہ کر کے ''سلطان الشعراء'' کا لقب پیش کیا۔ اور اس لقب کی شاعرانہ مسرت میں حاضری نے ایٹ ہوم سے بھی لطف اٹھایا، حکمائے یونانی نے ''سلطان الحکمت'' سے مخاطب کر دیا۔

نماز :-

اعلیٰ حضرت نماز جمعہ ہاتھ باندھ کر مگر نماز جنازہ ہاتھ چھوڑ کر پڑھتے ہیں، محرم میں عزاخانہ زہراؑ میں اگر بتی خود جلاتے ہیں۔ ۱۲ رمحرم کو فولادی علم کا وزن بڑی عقیدت سے سنبھالتے ہیں۔

شگون :-

کوئی دن مشکل سے ناغہ جاتا ہوگا جس میں آیات قرآنی سے، فوجی پہروں کے سامنے سے گذرنے سے، میناری گھڑی کی ٹن ٹن آواز سے اچھے شگون نہ لئے جاتے ہوں۔ بلی آنے جانے کے راستے سے اگر گذر جائے تو اس کا ٹوٹکا اس راستے میں ایک لوٹا پانی ڈال کر کیا جاتا ہے، عزاخانہ زہراؑ میں اور خلوت کے بارہ اماموں کے کمرے میں حسینی معجزے دیکھے جاتے ہیں اور مسجد جودی کے ''جوادی صحن'' میں بھی نہ معلوم کس قسم کے جلوے نظر آتے ہیں۔

مذہبی عادات:-

کسی کے سوم اور چہلم کے بتاشے ہوں یا کسی مجلس کا تبرک اس کو عقیدتاً وہیں نوش فرما لیتے ہیں۔ مردہ کے سینے پر ہاتھ رکھ کر دعا پڑھتے ہیں، مقدس مقامات کے تبرکات (آب زمزم وغیرہ)

مرنے والوں کی نجات کے لئے تقسیم ہوتے ہیں۔ ''کتنی قبر روشن ہے''۔ کا فقرہ جب کسی قبر کو ملاحظہ فرماتے ہیں ضرور فرماتے ہیں۔ قبروں پر پھول چڑھاتے ہیں اور قبر پر ہاتھ رکھ کر شیعہ طریقے سے فاتحہ دیتے ہیں۔

لطیفہ :-

محرم کا مہینہ ہے ''عزا خانہ زہرا'' میں روزانہ شام کو مجلسیں ہو رہی ہیں، حسینؑ کی مجلس میں نہیں بلکہ حضور نظام کو صورت دکھانے کے لئے ہندو، مسلمان، شیعہ، سنی سب دور دور کی مسافت طئے کر کے آتے ہیں، اس زمانہ میں سر مرزا اسماعیل صدر اعظم تھے وہ بھی ایک مجلس میں آئے اور اپنے ساتھ اپنے ایک ایرانی مہمان کو بھی لائے جنہوں نے حضور نظام کو کبھی دیکھا نہ تھا، حضور نظام جب مجھ جیسے مصاحبوں کے ساتھ عزا خانہ میں داخل ہوئے تو سب تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے۔ سر مرزا کے ایرانی مہمان نے حضور نظام کو نہ پہچانا اس کو محسوس کر کے سر مرزا نے اپنے ایرانی مہمان سے کہا کہ ''ایں شاہ دکن است'' تو ایرانی مہمان نے برجستہ جواب دیا کہ ''پناہ بخدا'' (اللہ پناہ میں رکھے) طنز۔ (حوالہ: ۲۱۶ تا ۲۲۹ مشاہدات، از: ہوش بلگرامی)

حضور نظام سے متعلق نواب صاحب چھتاری کے تاثرات :-

''مزاج باغباں'' کے تعارف کے بغیر نظام کی شخصیت کی اصلی تصویر ابھر کر سامنے نہیں آتی۔ اس خصوص میں اعلیٰ حضرت حضور پر نور کے عادات و خصائل، ان کے اوصاف اور ان کا مزاج، دروغ گوئی، سفلہ نوازی......سازشی ذہن، شکی مزاج، امور مملکت سے زیادہ ارباب نشاط، درباری سازشیوں کی قربت سے بے خبر اور اسی قبیل کی باتیں ہمیں یاد ایام جلد سوم میں بھی ملتی ہیں۔ ''یاد ایام'' اگرچہ زبان و بیان وطرز نگارش کے اعتبار سے کوئی قابل تذکرہ کتاب نہیں ہے لیکن دکن کے ایک اہم سیاسی دور کے وزیر اعظم کی یادداشت کی حیثیت سے اس کا حوالہ مناسب حال ہے۔ (یکم ستمبر ۱۹۴۱ء کو چھتاری صاحب ممالک محروسہ سرکار عالی کے صدر اعظم مقرر ہوئے۔) ان کے حضور نظام سے متعلق چشم دید واقعات پر مشتمل تاثرات درج ذیل ہیں:-

سر تھیوڈور ٹاسکر کو جو حکومت ہند کی طرف سے ایک وزیر تھے اور جو تیرہ چودہ برس سے مختلف عہدوں پر حیدر آباد رہے تھے میں نے لنچ پر بلایا تھا۔

میں۔سر تھیوڈور۔ برٹش حکومت کے انتظامی امور کا مجھے کم و بیش تجربہ ہے، مگر کسی ریاست اور خاص کر حیدرآباد کا مجھے کوئی تجربہ نہیں۔آپ کی ملازمت کا بڑا عرصہ یہاں گذرا ہے آپ کے تجربہ سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں۔

سر تھیوڈور ٹاسکر۔سر احمد آپ میرے چیف ہیں، آپ کی پالیسی کو وفاداری کے ساتھ کامیاب بنانا میرا فرض ہے،اس میں کبھی کسی قسم کی کوتاہی نہ ہوگی۔میری رائے اور میرا مشورہ ہمیشہ آپ کے واسطے موجود ہے۔حیدرآباد کی حالت میں مختصراً دو باتیں فقروں میں بیان کردوں، ہم سب وزیر ہیں مگر ہماری مثال ایسی نرسوں کی ہے کہ جو ایک ایسے بچہ کی حفاظت کے واسطے مقرر کی گئی ہیں جس کا دل خودکشی کرنے کو چاہتا ہے ہمارا کام ہے کہ اسے خودکشی نہ کرنے دیں۔

(حوالہ: یادِ ایام ص ٦٩)

٦ر جون کو ریزیڈنٹ کے سکریٹری مسٹر کوک ویلس میرے پاس آئے اور بادشاہ کے بھائی ڈیوک آف گلوسٹر کا پروگرام جو ٢٠ر تاریخ کو آرہے تھے مجھے دیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ:

جب ڈیوک آئیں تو ہوائی جہاز کے اڈے پر حضور نظام شہزادگان اور میں موجود رہوں۔ وہاں سے وہ فلک نما نظام کے ساتھ جائیں۔وہیں لنچ ہوا اور شب کو نظام کی طرف سے ڈنر ہوا اور اسی طرح رخصت ہوتے وقت نظام ہوائی اڈے تک پہنچانے جائیں۔میں نے علی یاور جنگ اور انصاری معتمد باب حکومت یعنی کیبنٹ سکریٹری کو بلا کر بذریعہ نیم سرکاری دفتر پیشی کو مطلع کر دیا۔

آج ہی سرکار کو ان کے شاعری کے استاد جلیل نے ملک الشعراء کا خطاب دیا اور باغ عامہ میں جلسہ اور ایٹ ہوم ہوا۔ایڈریس کے جواب میں سرکار نے اس خطاب کو قبول کیا۔مجھ سے فرمایا کہ صبح تم علی یاور جنگ کو بھی ساتھ لانا، علی یاور جنگ نے مجھ سے یہ کہا کہ اگر سرکار ڈیوک کو رخصت کرتے وقت ہوائی جہاز تک پہونچانے سے انکار کریں تو میں اس پر زور نہ دوں ورنہ انہیں غلط فہمی ہو جائے گی۔میں صرف یہ کہوں کہ چوں کہ مسئلہ اہم ہے اس لئے کونسل کے مشورے کے بعد طئے کیا جائے۔نواب علی یاور جنگ کو غالباً ڈیوک آف ونڈسٹر کا واقعہ یاد آیا، جب وہ پرنس آف ویلز کی حیثیت سے حیدرآباد آئے تو نظام نے رخصت کے وقت اسٹیشن جانے سے انکار کیا۔جس سے حکومت ہند اور انگلستان کے شاہی خاندان کو ناگواری ہوئی۔

آج ہی غلام محمد صاحب نے مجھ سے کہا کہ ان سے اور سر تھیوڈر ٹاسکر سے گفتگو ہوئی اور سر تھیوڈر ٹاسکر نے منجملہ اور باتوں کے یہ بھی کہا کہ ''تم خود ہی یہ اندازہ کرو کہ اگر اعلیٰ حضرت کو اختیارات کامل دے دیئے جائیں تو جوان کی موجودہ کیفیت مزاج ہے اس میں وہ اس ریاست کا کیا حشر کریں۔'' جو کچھ ٹاسکر نے کہا یہ نہ صرف حکومت ہند کا خیال تھا بلکہ اس سے بہت سے حیدرآباد کے لوگ بھی متفق تھے۔

دوسرے روز میں اور علی یاور جنگ کنگ کوٹھی حاضر ہوئے۔ سرکار نے فوراً علی یاور جنگ کو نوٹ لکھانا شروع کر دیا جس کا منشا یہ تھا کہ چوں کہ بم باری کے خطرے سے فلک نما محل کا سامان ہٹا لیا گیا' لہذا ڈیوک ریزیڈنسی میں قیام فرمائیں۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ مجھے سرکار کے اس فیصلہ پر کس قدر حیرت اور افسوس ہوا۔ شہنشاہ ہندوستان کا بھائی اور نظام حیدرآباد کا مہمان مگر اس کا قیام بجائے فلک نما محل کے ریزیڈنسی میں ہو' لیکن اگر میں اصرار کرتا تو ضد بڑھتی میں خاموش رہا۔ خیر مقدم اور الوداع کے موقع پر جانے کے لئے راضی تھے مگر الوداع کے متعلق یہ کہا کہ اگر'' ضروری ہو تو میں اس پر بھی تیار ہوں۔''

میں اس نوٹ کے ساتھ گیارہ بجے ریزیڈنٹ سے ملا اور جہاں تک مجھ سے ہو سکا ایک ناخوشگوار بات کو خوشگوار طریقہ سے کہہ کر انہیں یقین دلایا کہ ڈیوک کا قیام ریزیڈنسی ہی میں مناسب ہوگا۔ خیر مقدم اور الوداع کے سلسلہ میں ریزیڈنٹ نے کہا کہ دونوں مواقع پر سرکار کا تشریف لیجانا مناسب ہوگا۔

میں نے دوسرے روز ۸ / جون کو سرکار سے وہ سب عرض کر دیا جو طئے کر آیا تھا جسے سرکار نے پسند فرمایا مگر میرے لئے ایک اور نزاکت پیدا ہوگئی۔ اسی روز شام کو سر تھیوڈر ٹاسکر کے رخصتی ڈنر میں ریزیڈنسی گیا' میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب ریزیڈنٹ نے کہا کہ سرکار نے انہیں خط بھیجا ہے جس کا مقصد یہ تھا کہ اگر ڈیوک فلک نما محل میں قیام کریں تو مناسب ہوگا۔ مجھ سے دریافت کیا کہ تمہاری کیا رائے ہے۔

میں نے کہا کہ سرکار کی جب یہ خواہش ہے تو منظور کر لیجئے مناسب ہے لیکن بار بار یہ خیال آتا رہا کہ کل ہی جو دلائل و براہین میں نے ریزیڈنٹ سے اس تجویز کے خلاف پیش کئے

تھے اسے وہ بھول نہیں سکتا۔ کیا اسے یہ خیال نہ ہوگا کہ نظام تو چاہتے ہیں کہ ڈیوک فلک نما میں قیام کریں مگر صدر اعظم اپنی کسی مصلحت سے یہ نہیں چاہتے۔ حیدر آباد میں ایسے مواقع آ جاتے تھے اور صدر اعظم کی حیثیت سے میرے لئے بڑے خلجان کا باعث ہوتے تھے۔ اگر اپنی پوزیشن کو صاف کیا جائے تو آئین وفا شعاری کے خلاف اور خاموشی کی صورت میں غلط فہمی کا اندیشہ۔

(حوالہ: یاد ایام ص: ۱۰۳ تا ۱۰۵)

۲۱ / ڈسمبر ۴۳ / کو مجھ سے ریزیڈنٹ نے کہا۔ کیا یہ سچ ہے کہ علی یاور جنگ کو وزیر بنانے کے لئے سر عقیل نے بیس ہزار دیئے اور نواب ظہیر یار جنگ سے پچاس ہزار مانگے جا رہے ہیں۔ میں نے کہا۔ میرے خیال میں یہ خبریں بے بنیاد ہیں۔

۲۳ / ڈسمبر کو اعلیٰ حضرت نے کنگ کوٹھی میں لنچ دیا جس کے بعد فوٹو لیا گیا۔ لنچ کے بعد میں نے یہ عرض کیا کہ گرانی کی وجہ سے سرکار نے شاہزادگان کی سیول لسٹ میں ڈھائی ہزار روپیہ ماہوار اضافہ پرنس اعظم جاہ اور معظم جاہ کے واسطے منظور فرما لیا تو اس موقعہ پر گرانی کا کچھ الاؤنس بسالت جاہ کے لئے بھی منظور فرمایا جائے۔ یہ اعلیٰ حضرت کے سوتیلے بھائی ہیں مگر سرکار نے منظور نہیں کیا۔ سرکار کے فرمانے کا منشاء یہ تھا کہ بسالت جاہ کی ماہواری سول لسٹ کے سلسلہ میں حکومت ہند سے یہ طئے ہو گیا ہے کہ رقم مقررہ سے زیادہ کے وہ مستحق نہیں ہیں۔ جہاں تک مجھے یاد ہے انہیں پانچ ہزار روپیہ ماہوار ملتے تھے۔ یہ غالباً نظام مرحوم میر محبوب علی خاں کے انتقال کے بعد ۱۹۱۱ء یا ۱۲ء میں حکومت ہند سے طئے ہوا ہوگا۔ مجھے افسوس ہوا۔ سوال حق کا نہ تھا یہ تو فراخدلی اور صلہ رحمی کا سوال تھا۔

۷ / مارچ ۴۴ء سر کلاڈ آکسن لیک جو کمانڈر ان چیف تھے میرے مہمان تھے۔ میں نے سرکار سے عرض کیا کہ انہیں چائے پر بلا لیں بہت پس و پیش کے بعد مان لیا۔

سرکار اتنے مشکوک اطزاج تھے کہ فرمانے لگے کہ مجھ سے کیوں ملنے آ رہا ہے۔ میں کیا کہتا کہ برٹش حکومت کا کمانڈراں چیف حیدر آباد آئے تو اسے نظام سے ضرور ملنا چاہیئے اور سرکار کو بھی کھانے یا چائے پر مدعو کرنا چاہیئے۔ (حوالہ: یاد ایامؒ ص: ۱۶۱/۱۶۰)

یکم اگست ۴۲ء کو سرکا نے فرمایا کہ بہادر یار جنگ اور ابوالحسن سید علی ان سے ملنے حاضر

ہوئے تھے اور اپنے غیر مطمئن ہونے کا اظہار کر رہے تھے۔ (یادایام ص:۱۱۴)

۵/اگست بہادر یار جنگ ملنے آئے' دوران گفتگو میں مجھے یہ معلوم ہو کر حیرت ہوئی کہ یکم اگست کو یہ اور ابوالحسن سید علی سرکار کے طلبیدہ حاضر ضرور ہوئے تھے مگر گفتگو صرف برار کے طرز حکومت کے متعلق تھی اور انہوں نے میری گورنمنٹ کے کام پر کسی غیر مطمئن ہونے کا اظہار نہیں کیا۔ اور کہنے لگے "یوں سرکار مالک ہیں جو فرماتے ہیں بجا اور درست کہنے کے سوا کیا چارہ ہے۔"

(حوالہ: یادایام ص:۱۱۵)

۱۵/اگست ۴۳ء کو میں ریزیڈنٹ سے ملا۔ ایک بات مجھے بہت سبق آموز اور دلچسپ معلوم ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ شہزادی نیلوفر (پرنس معظم جاہ کی ترکی بیگم) اپنے کسی عزیز کو تیس پونڈ ماہوار حکومت ہند کے ذریعہ سے مصر بھجواتی تھیں جن کا نام پرنس ہامی تھا۔ یہ غریب اپنا پیٹ کاٹ کر کسی اپنے مفلوک الحال غریب الدیار عزیز کو مصر سے اس تیس پونڈ میں سے پانچ پونڈ فرانس روانہ کر دیتی ہیں لہذا آئندہ سے پچیس پونڈ ماہوار جایا کریں۔

یہ مثال اس ذہنیت کی تصویر پیش کرتی ہیں جو ایک ترک جیسی شریف قوم کی ذہنیت ہے۔ ایک وہ شہزادی ہے جو اپنی روٹی میں سے ٹکڑا توڑ کر اپنے کسی غریب عزیز کو بھیجتی ہے اور ایک وہ حکومت ہے جو سزاءً اتنا ٹکڑا کم کر دیتی ہے۔

۳/فبروری ۴۴ء کو سرکار کی خدمت میں حاضر ہوا۔ نظام فرمانے لگے کہ بہادر خاں کو ریزیڈنٹ نے کیوں بلایا۔ مجھ سے تو کہا تھا کہ میں انہیں انٹرویو نہیں دے سکتا۔ میں نے کہا کہ بہادر خاں کی خواہش پر بلا لیا ہوگا۔ اسی روز دوپہر کو بہادر خاں (بہادر یار جنگ) مجھ سے ملنے آئے۔ ریزیڈنٹ سے جو بات چیت ہوئی تھی اسی کا ذکر کرتے رہے پھر مجھ سے کہا کہ سرکار نے مقصود علی خاں (سرکاری طبیب) کو ان کے پاس بھیجا تھا وہ یہ پیام لائے تھے کہ ریزیڈنٹ بہادر یار جنگ سے ملنے کو تیار نہ تھے۔ بہادر یار جنگ نے جو خط انٹرویو ریزیڈنسی سے آیا تھا وہ مقصود علی خاں کو دکھایا اور اس پر افسوس کرتے رہے کہ سرکار ایسی غلط بیانی سے کام لیتے ہیں۔"

(حوالہ: یادایام ص:۱۵۸)

نظام کی انتقام پسندی کا ایک اور واقعہ

مشاہدات میں ہوش بلگرامی کے قلم سے نظام کے عقیدے مذہبی کا تفصیلی ذکر مذکور ہے۔ اس خصوص میں ایک واقعہ قابل ذکر ہے۔

علماء اہلسنت میں مولانا ابوالخیر شاہ حسین کنج نشیں المعروف مولانا ابوالخیر کنج نشیں (پیدائش ۶ رنومبر ۱۹۰۴ء وفات ۱۸/اگست ۱۹۸۶ء) بڑے نڈر اور بے باک واقع ہوئے تھے' آخری دم تک اپنی مادر جامعہ (جامعہ نظامیہ) کے بےلوث خدمت گذار رہے۔

نظام کے اپنے آبائی مسلک کی تبدیلی کے خلاف مولانا نے صدائے احتجاج بلند کی اور ایک رسالہ تحریر فرمایا:-

''اور ایک وقت حیدرآباد میں ایسا بھی آیا جبکہ حضور نظام سابع نے اپنے آپ کو شیعی مسلک پر ہونا بتلایا اور حضرت الاستاذ مولانا سید شاہ محمد شطاری' صدرالمدرسین نظامیہ نے سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں شیعی عقائد کا حق پر ہونا بتلایا۔ اس کی تردید میں شاہ صاحب نے ایک رسالہ لکھا۔ جس میں شیعی عقائد کی تردید اور حضرات خلفائے راشدین کا صحیح انتخاب ہونا اور ان سب کا راہ راست پر رہنا بتلایا اور یہ بھی بتلایا گیا کہ حضرت آصف جاہ اول نے خود کو حنفی اور ریاست کا مذہب حنفی ہونا وصایا میں بتلایا ہے' اس کے سوا آصف جاہی خاندان اپنے آپ کو امیرالمؤمنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے ایسی صورت میں ہمارے حضور نظام سابع کو چاہئیے کہ وہ اپنے کئے ہوئے تصفیہ پر نظر ثانی کرے ورنہ اس کے خلاف مسلم عوام کی عالمگیر تحریک جاری ہوگی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ کسی شخص کو حکومت یا حکمرانی کے خلاف آواز اٹھانے کی جرأت نہیں ہوتی تھی' ہر شخص کو خوف و ہراس تھا کہ اب کیا ہوتا ہے۔ چنانچہ حضور نظام نے شاہ صاحب کو شہر بدر کرنے کے سلسلے میں کونسل سے رائے پوچھی' خدا اختر احمد مینائی اختریار جنگ معتمد امور مذہبی کو جوار رحمت میں جگہ دے' انہوں نے تفصیل سے کونسل میں رائے دی کہ یہ مذہبی مسائل ہیں۔ شاہ محمد صاحب نے اپنے رسالہ میں خلفائے راشدین کے متعلق غیر صحیح واقعات لکھنے سے شاہ ابوالخیر صاحب نے جواب لکھنے کی جرأت کی۔ اگر انہیں شہر بدر کیا جائے تو نہ صرف حیدرآباد میں ہیجان پیدا ہوگا بلکہ

سارے ہند میں حضور نظام کے خلاف مظاہرے ہوں گے چوں کہ ان مسائل کا تعلق عقائد سے ہونے کی وجہ سے ہر شخص کو اپنے عقائد کی حفاظت ضروری ہے' باوجود اس کے دوسرا فرمان یہ جاری ہوا کہ ان کے نام اگر انعامات وغیرہ ہوں تو بحق سرکار ضبط کرلیا جائے۔ چنانچہ ضلع بیدر کے نام احکام اجراء ہوئے' اور تعلقدار نواب نثار جنگ نے لکھا کہ ان کے والد بقید حیات ہیں' ان کے نام (مولانا ابوالخیر کنج نشیں) کوئی جائیداد نہیں ہے' بیٹے کی وجہ سے باپ کو متاثر کرنا ٹھیک نہیں' اس طرح پولیس ایکشن سے پہلے یہ کارروائی ختم ہوگئی۔'' (حوالہ: نام تھا جن کا کنج نشیں' از: الحاج سید شاہ نعمت اللہ قادری فاضل نظامیہ' سجادہ نشیں درگاہ رحمانیہ ضلع گلبرگہ' ص: ۴ تا ۶)

پہلی بار علامہ اقبال ۱۹۱۰ء میں حیدر آباد تشریف لائے تھے۔ اور دوسری بار ۱۹۲۸ء کے آخر میں مسلم اسوسی ایشن کی دعوت پر مدراس جارہے تھے ان کو عثمانیہ یونیورسٹی کی طرف سے فلسفہ پر توسیعی تقاریر کے سلسلے میں دعوت دی گئی تھی۔

۱۴ر جنوری کی صبح کو علامہ اقبال کا سکندر آباد اسٹیشن پر شاندار خیر مقدم کیا گیا' علامہ اقبال نے دیکھا کہ تین چار سو سے زائد چھوٹے بچے اور خوبصورت یونیفارم میں ملبوس قطار اندر قطار ان کا ملی ترانہ خوش الحانی سے پڑھ رہے ہیں۔

ان کا قیام نظام کے مہمان کی حیثیت سے بلا دستہ (مہمان خانہ) میں رہا۔

عثمانیہ یونیورسٹی کے اساتذہ' طلبہ اور عہدہ داروں کے علاوہ سر اکبر حیدری خلیفہ عبدالحکیم' مسٹر انصاری' مولانا عبداللہ عمادی' ابراہیم ٹونکی' ڈاکٹر مظفر الدین قریشی اور دیگر اکابرین ان کے استقبال کے لئے اسٹیشن پر موجود تھے۔

علامہ اقبال نے حیدر آباد میں دو لیکچر (انگریزی زبان میں) دیئے۔ پہلے لکچر کی صدارت مہاراجہ کشن پرشاد نے اور دوسرے لکچر کی صدارت نواب اعظم جاہ ولی عہد سلطنت نے کی۔

پہلا لکچر ۱۵ر جنوری کو باغ عامہ کے ٹاؤن ہال میں ہوا۔ مہاراجہ کشن پرشاد یمین السلطنت نے اپنی افتتاحی تقریر میں فرمایا کہ:

''آپ کی ذات تعارف سے مستغنی اور آپ کا کلام ستائش سے بالاتر ہے' ڈاکٹر اقبال جس مقصد حیات کو اپنے علم و عمل سے پورا کررہے ہیں وہ انسانی ترقی کو دنیا کے لئے سودمند بنانے

اور روحانیت کے اعلیٰ مدارج کو حاصل کرنے کا راستہ بناتے ہیں۔ ڈاکٹر اقبال تصوف اور عرفان کی آغوش میں پل کر حکیم ہوئے اور ان کے حکیمانہ خطبات سے ہم سب کو یکساں مستفید ہونے کا اب بالمشافہ موقع ملا ہے جس کی ہم عزت اور قدر کرتے ہیں۔"

علامہ اقبال کے اعزاز میں مشاعرہ :-

۱۵ر جنوری کو مہاراجہ کے مشاعرے میں جو علامہ اقبال کے اعزاز میں منعقد ہوا تھا' علامہ اقبال نے شرکت فرمائی اگرچہ اس زمانے میں اقبال نے مشاعروں میں پڑھنا ترک کر دیا تھا اور ان کی حیثیت ایک مفکر اور فلسفی کی حیثیت سے مسلم ہو گئی تھی لیکن مہاراجہ کی پاسداری اور لحاظ کی وجہ سے وہ مشاعرہ میں شریک ہونے سے انکار نہیں کر سکے۔

علامہ اقبال ابھی .... مشاعرہ سے لوٹے بھی نہیں تھے کہ رات کے نو بجے سر امین جنگ نے ان کی قیام گاہ پر ایک خط بھجوا دیا کہ حضور نظام نے کال بک پر آپ کا نام ملاحظہ فرمانے کے بعد ۱۸ر جنوری کی صبح گیارہ بجے کا وقت ملاقات کے لئے مقرر فرمایا ہے۔

۱۷ر جنوری کو سر اکبر حیدری نے اقبال کو دوپہر کے کھانے پر مدعو کیا' اس دعوت میں اکابرین' ممتاز شہریوں کے علاوہ جملہ وزراء اور عہدہ دار حکومت شریک طعام تھے۔

سر امین جنگ کا استقبالیہ

جس دن علامہ اقبال سے نظام کی ملاقات ہونے والی تھی اسی رات سر امین جنگ نے جو حضور نظام کے پرائیویٹ سکریٹری تھے اقبال کے اعزاز میں ایک عشائیہ دیا' اس عشائیہ میں حیدر آباد کے بیشتر جاگیر داروں اور رؤسا نے شرکت کی۔ اس عشائیہ کا مقصد اس کے علاوہ کچھ اور نہیں تھا کہ اقبال کو حضور نظام کے آداب سے آگاہ کیا جائے اور بتایا جائے کہ ان سے ملاقات کے وقت کون کون سی باتیں ملحوظ رکھی جاتی ہیں۔ ساتھ ہی اقبال کو اس امر کی بھی مبارکباد دی گئی کہ ان سے پہلے کسی ہندوستانی شاعر کو حضور نظام نے اتنا بڑا اعزاز نہیں دیا ہے۔

۱۸ر جنوری کی صبح ۱۱ بجے اقبال کی نظام سے ملاقات ہوئی۔

علامہ اقبال نے پوری مشرقی تہذیب کے آداب کو ملحوظ رکھ کر ملاقات کی' لیکن نظام نے

رسمی انداز کی گفتگو کی، اور یہ ملاقات ایک رسمی ملاقات سے زیادہ اہمیت کی حامل نہ بن سکی، جس کی بڑی وجہ صرف یہی تھی کہ اقتدار کے نشہ میں نظام، اقبال کے مقام تک رسائی نہ پا سکے۔

نظام کی خدائی کی زکوٰۃ!

۲۱/اپریل ۳۸ء کو علامہ اقبال نے وفات پائی۔ علامہ اقبال کی وفات سے کچھ عرصہ قبل یعنی ۷/جنوری ۱۹۳۸ء کو پہلا جشن اقبال بمقام ٹاؤن ہال باغ عامہ عظیم الشان پیمانے پر منایا گیا۔

اس موقعہ پر حضور نظام کی جانب سے اقبال کی خدمت میں ایک ہزار روپئے کی رقم چک کی صورت میں بھجوائی گئی، جس چک کے ہمراہ بمد زکوٰۃ توشک خانہ عامرہ سرکار عظمت مدار کی سلپ بھی منسلک تھی۔

اس سلپ کو دیکھتے ہی اقبال نے دو قطعات کے ساتھ نظام کی خدائی کی زکوٰۃ (چک) کو غیرت فقر کی بارگاہ سے نکال باہر کیا۔

علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

تھا یہ اللہ کا فرمان کہ شکوہ پرویز
دو قلندر کو کہ ہیں اس میں ملوکانہ صفات

مجھ سے فرمایا کہ لے اور شہنشاہی کر
حسن تدبیر سے دے آنی و جانی کو ثبات

میں تو اس بار امانت کو اٹھاتا سرِ دوش
کام درویش میں ہر رنگ ہے مانند نبات

غیرت فقر مگر کر نہ سکی اس کو قبول
جب کہا اس نے یہ ہے میری خدائی کی ذکات

قطعہ لکھنے کے چند روز بعد ہی ان کا انتقال ہو گیا، اس طرح نظام کی اس غیر اخلاقی حرکت کا انہیں منہ توڑ جواب مل گیا۔

("تلخیص اقبال اور بزم اقبال" از: عبدالرؤف (۲) "اقبال اور حیدرآباد" از: نظر حیدرآبادی)

علامہ اقبال کے انتقال کے ٦ سال بعد نہ جانے کس ترنگ میں ایک فرمان نظام گزٹ میں شائع ہوا، جس کا مفہوم یہ تھا کہ:

''مجھے اس قدر یاد ہے کہ تقریباً ربع صدی قبل ایک بار اس جگہ آئے تھے، مگر یہ نہیں معلوم کہ وہ بغرض سیر و سیاحت آئے تھے یا کسی کی دعوت پر یا کسی خاص کام کے تحت۔ ملاقات کی خواہش کے کتابچے میں اپنا نام خود درج کیا، میری حسب عادت اور تہذیب کے مطابق میں نے انہیں ملاقات کا موقع دیا۔''

(علامہ اقبال کو جامعہ عثمانیہ میں توسیعی لکچرر کے لئے بطور خاص مدعو کیا گیا تھا اور سرکاری اعزاز کے ساتھ انہیں شاہی مہمان کی حیثیت سے رکھا گیا تھا۔ لیکن سطور بالا میں نظام نے کس تجاہل عارفانہ سے کام لیا ہے اور کس طرح علامہ اقبال کے مقام کو متاثر کرنے کی سعی ناکام کی ہے)

فرمان کے دوسرے حصے میں فرماتے ہیں:

ان سے گفتگو کے دوران میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ وہ اہل اسلام کے معزز طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں، ان کے دل میں قومی جذبات ہیں، اور یہ بھی کہ وہ انگریزی زبان سے واقف ہیں اور انہوں نے یورپ کا سفر بھی کیا ہے، بہرحال ان کا شمار مشاہیر بیرون ملک میں ہوتا ہے۔

میں اس سے زیادہ ان کے احوال سے ناواقف ہوں۔

(یہ وہ زمانہ تھا جب کہ چاردرانگ عالم میں اقبالؔ کے نام کا ڈنکا بج رہا تھا۔)

ایک دیسی ریاست کا فرمانروا یہ تاثر دینا چاہتا ہے کہ ملاقات کے بعد میں ان سے سرسری طور پر واقف ہو سکا، گویا اس سے قبل یا بعد وہ اس عظیم ہستی کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔

اس طرح کی نچلی سطح کی حرکتوں کے ذریعے وہ یہ سمجھتے تھے کہ ان کے وقار میں اضافہ ہوتا ہے۔ متذکرہ باتوں پر مشتمل فرمان فارسی زبان میں جاری ہوا تھا جو درج ذیل ہے:-

نظام کا فرمان

''مارا ایں قدر یاد ہست کہ تخمیناً عرصہ ربع صدی گذشتہ است کہ ا یکبار ایں جا آمدہ بود مگر معلوم نیست کہ آیا او ازخود بغرض سیر و سیاحت آمدہ یا بر دعوت کسے یا برائے کار خاص آمدہ وہم او چونکہ بر ما کال (Call) کردہ بود یعنے نام خودش در کتاب نوشتہ بود حسب عادت مطابق

ایٹیکسٹ ما اور انٹرویو دادہ بودیم ونتیجہ کہ ما از گفتگوئے او اخذ کردیم آں ایں بود کہ او در نظر ما از معزز طبقۂ اہل اسلام آمد و ایں ہم از طرز کلام او بر ما ہویدا کہ او جذبۂ خدمت قوم وملت خویش در دل می داشت و ایں ہم ظاہر شد کہ او زبان انگریزی را خوب می دانست و سفر یورپ ہم کردہ بود۔

بہر حال شمار او در میان مشاہیر بیرون ملک بود۔ زیادہ از احوال او ما نابلد ہستیم۔''

(نظام گزٹ۔ ۴ر مئی ۱۹۴۴ء روز پنجشنبہ)

خطاب محی الملّۃ والدین

تحریک خلافت کے سلسلے میں حیدرآباد میں اس تحریک سے وابستہ شخصیتوں کی گرفتاری اور جلسوں پر امتناع کی خبریں جب ہندوستان کے اخبارات میں شائع ہوئیں تو ہندوستان کے اخبارات نے نظام دکن کے خلاف صدائے احتجاج بلند کیا۔

(کچھ ہی عرصہ قبل ندوۃ العلماء لکھنؤ اور دیگر تعلیمی اور دینی اداروں کے نامور مشائخین و علماء نے ایک مشترکہ جلسہ میں انہیں (پوری طرح ناواقفیت کی بناء پر) خطاب محی الملۃ والدین سے سرفراز کیا تھا (جس کے یہ اہل نہ تھے)

جس کے جواب میں نظام نے ایک فرمان کے ذریعے جواب دیا کہ:

''اس خطاب کا نہ تو میں خواہشمند تھا اور نہ اس کی میری نظر میں کوئی اہمیت ہے۔ میرے لئے تو اپنے ذاتی خطابات ہی کافی ہیں۔''

اس طرح علمائے کرام و مشائخین عظام کی توہین وتحقیر کی۔

(تلخیص ماخوذ از رابطہ عالم اسلامی اور حیدرآباد دکن ص ۱۴۵۔ از: مولوی حسام الدین غوری مرحوم۔ کراچی)

اس طرح کے لامتناہی واقعات کا سلسلہ ہے جس کے لئے ایک علحدہ کتاب کی ضرورت لاحق ہے۔ یہاں ان واقعات پر مشتمل یہ بات تحریر کرنے کا مقصد صرف اس قدر ہے کہ

نبض چمن پہ بعد میں رکھیں گے انگلیاں
پہلے تیرا مزاج تو اے باغباں ملے

اس بجھے بجھے سے نوشتہ دیوار کا ذکر جو بہادر یار جنگ کے حرف جنوں کو ٹال کر خود حرف

غلط کی طرح مٹ گیا۔ آوازِ دوست میں مختار مسعود نے ٹوپی کے میل سے دل کے میلے پن تک کا حال نوکِ نشتر سے لکھا ہے۔

''میر عثمان علی خاں کو میں نے بچپن میں پہلی بار اس وقت دیکھا جب وہ وائسرائے کے ساتھ علیگڑھ آئے تھے۔ وکٹوریا گیٹ سے سٹریچی ہال تک اسکول کے طلبہ کی قطار بندی تھی، میں ہال کے نزدیک قطار کے آخری سرے پر کھڑے ہونے والے سب سے چھوٹے بچوں میں شامل تھا۔ ایک پر شکوہ جلوس ہمارے سامنے سے گذرا۔ لوگوں کی نگاہیں ان شہزادیوں کی طرف اٹھ رہی تھیں جو خلافت عثمانیہ کے برباد ہونے کے بعد دولت آصفیہ میں آباد ہو گئی تھیں۔ سادہ لوح سمجھے کہ اس پیوند سے کوئی نجات دہندہ پیدا ہو گا حالانکہ مستقبل شہزادیوں کے بطن سے نہیں بلکہ بطن گیتی سے جنم لیتا ہے۔ لارڈ ولنگڈن اس سلطنت کا نمائندہ تھا جس کی وسعتوں پر سورج کبھی غروب نہ ہوتا تھا اور دکن کی حیثیت اس سورج کے سامنے چراغ سے زیادہ نہ تھی۔ غلامی کے دنوں میں ہمیں انگریز بہت گورا نظر آتا تھا۔ لہٰذا لارڈ ولنگڈن کے سرخ و سپید چہرے کے سامنے نظام بالکل سنولا گئے۔ کسی سے سنا کہ نظام دنیا میں سب سے امیر شخص ہیں تو ان کے ساتھ ہمدردی ہو گئی مگر وہ بھی زیادہ دیر تک قائم نہ رہی، جب کہ یہ خبر ملی کہ ان کی ترکی ٹوپی کے کناروں پر میل کی تہہ جمی رہتی ہے تو دل میں ان کی طرف سے میل آ گیا جو آج تک نہیں گیا۔ نواب بہادر یار جنگ کے ساتھ ان کے سلوک کو یاد کرتا ہوں تو کچھ اور زیادہ ہو جاتا ہے۔ کئی بار چاہا کہ نظام کو عظمتِ رفتہ کا آخری چراغ قرار دوں یا روشن مستقبل کی پہلی کرن، مگر طبیعت اس پر کبھی راضی نہ ہوئی۔ دل نے کہا تاریخ میں جگمگاتے عنوان ہی نہیں بجھا بجھا سا نوشتۂ دیوار بھی ہوتا ہے۔ نظام نے بہادر یار جنگ کے حرفِ جنوں کو سن کر ٹال دیا اور خود حرف غلط کی طرح مٹ گئے۔ اگر نظام ان کی باتوں پر غور کرتے تو ریاست بہر حال چلی جاتی مگر نام رہ جاتا۔'' (آوازِ دوست، مختار مسعود ۱۸۱۔۸۲۔ کراچی)

مولانا عبدالماجد دریابادی نے ان انسان نما درندوں کے بارے میں لکھا:

''بادشاہوں کے حالات کتابوں میں آپ نے کثرت سے پڑھے ہوں گے۔ کیسے کیسے ظالم سنگدل بلکہ انسان نما درندے، اس طبقہ میں ہر ملک اور ہر زمانہ میں گذرے ہیں۔ شقاوت کی آگ بھڑکی تو باپ تک کو مار ڈالا، لختِ جگر تک کی آنکھیں نکال لیں، ''زہر کا پیالہ'' پلا دیا، بھائی،

بھتیجے، چچا، ماموں، خسر، داماد کا ذکر ہی نہیں، نفس پرستی کا ہیجان ہوا تو بہن، بیٹی اور ماں تک کی عصمتوں کی خیر نہ رہی، غرض کہ وہ، وہ کر گذرے ہیں جن کی طرف ذہن بھی ہمہ وشما کا پہنچنا مشکل ہے اور کسی ایک ملک یا قوم پر موقوف نہیں۔ چین و عرب، ہند و ایران، روم و روس، برطانیہ و فرانس ایک سے بڑھ کر ایک۔"

ہم نے تو بڑھ کر الٹ دی ان کے چہرے سے نقاب
یہ ہمارا کام تھا آگے نظر کا کام ہے

◆◆◆

شہید ملت کی زندگی کی آخری صبح

۲۵/ جون ۱۹۴۴ء کی صبح آئی، طلوعِ فجر سے قبل اللہ کا بندہ ہر روز کی طرح نیند سے بیدار ہوا۔ حوائج ضروری سے فارغ ہو کر وضو بنایا اور روز کی طرح مسجد کا رخ کیا۔ اللہ کے نام اور کام سے صبح ہوئی

۳/ رجب ۱۳۶۳ھ بروز اتوار آپ کی تفسیر کا آخری دن تھا، سورۂ بقر کے چوبیسویں رکوع (پارہ دوم کے آٹھویں رکوع) کی ابتدائی چار آیتوں تک کی تفسیر بیان کی جا چکی تھی، آج پانچویں آیت زیر درس تھی، وقت مقررہ پر مسجد میں تشریف لائے تو تفسیر سے پہلے کہنے لگے کہ:

''آج میں زیادہ تیار نہیں ہوں۔ اور روزانہ جو مطالعہ رات میں کر کے یہاں آتا تھا وہ آج نہیں کر سکا، گزشتہ دو راتوں سے [1] سالگرہ کے عشائیوں میں وقت گزارا، اور یہ ہماری ایمانی کمزوری ہے کہ ہم کبھی کبھی اللہ کی طرف سے ہٹ کر اس طرح دنیوی کاموں میں لگ جاتے ہیں خدا ہمیں بھلائی کی توفیق دے۔

پھر قرآن کھولا اور یہ آیت تلاوت فرمائی :-

وقتلوهم حتى لاتكون فتنة ويكون الدين لله ط فان انتهوا فلا عدوان الا على الظالمين [2]

اردو ترجمہ کے بعد الفاظ و مطالب کی تشریح فرمانے لگے، لفظ فتنۃ'' کے متعلق فرمایا کہ اردو میں اس کے معنی شرارت اور خرابی کے لئے جاتے ہیں۔ مگر عربی میں اس کے اصل معنی ہیں

---

[1] واضح رہے کہ یکم رجب نظام دکن میر عثمان علی خاں کا یوم پیدائش ہے، اس زمانہ میں اس موقع پر سرکاری وغیر سرکاری بڑے پیمانے پر جلسے منعقد ہوتے تھے اور پارٹیاں دی جاتی تھیں۔

[2] اور لڑوان سے یہاں تک کہ نہ باقی رہے فساد اور حکم رہے خدا تعالیٰ ہی کا، پھر اگر وہ باز آئیں تو کسی پر زیادتی نہیں، مگر ظالموں پر۔
(بالفاظ شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب'')

''آزمانا اور امتحان کرنا'' اور اس مقام پر لاتکون فتنہ کے الفاظ کے ساتھ ویکون الدین للہ ط کے الفاظ اس حالت کو واضح کرتے ہیں کہ جس کو ''فتنہ'' کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، یعنی جب دین اللہ کے لئے نہ ہو، کفار برسر اقتدار ہوں، کفر کے احکام جاری ہو رہے ہوں اور مسلمان ان کے قہر و غلبہ کی وجہ سے خدا کے احکام پر پوری طرح عمل نہ کر سکتے ہوں تو یہ دراصل فتنہ کی حالت ہے، اس حالت کو ''فتنہ'' اس مناسبت سے کہا گیا ہے کہ فتنہ کا قطعی استیصال کرو اور اس کے قطعی استیصال تک لڑو، اس وقت تک لڑو جب تک اللہ کے نام اور حکام کا بول بالا نہ ہو جائے اور اس کی حمایت میں لڑنے والی قوتوں کو کامل غلبہ اور فتح حاصل نہ ہو جائے اس کے بعد اگر وہ باز آ جائیں تو ہاتھ روک لو اور زیادتی نہ کرو اور پناہ میں لو بجز ظالمین کے جن کے خمیر ہی میں شر موجود ہے، چنانچہ اس اجازت سے فائدہ اٹھا کر حضور انورؐ نے فتح مکہ کے بعد تلوار میان میں ڈال دینے والوں، بوڑھوں، بچوں، عورتوں اور ابوسفیان کے مکان میں پناہ لینے والوں اور خانہ کعبہ و مسجد حرام میں گھسنے والوں کو پناہ دی، بجز پانچ یا چھ ظالمین کے جن کے متعلق حکم تھا کہ اگر وہ کعبہ کے پردوں کو بھی لپیٹ لیں اور حرم میں بھی گھس جائیں تو تب بھی ان کو وہاں قتل کر دو۔

اس سے آگے کی آیات میں چند حرام مہینوں کا ذکر ہے۔ تمہیدی طور پر اس کی تفسیر کرتے ہوئے کہنے لگے کہ :

عرب میں ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب مقدس مہینے سمجھے جاتے تھے چوں کہ ذی الحجہ کے مہینے میں لوگ حج کے لئے دور دور سے آتے تھے اور سفر میں تقریباً ایک مہینہ صرف ہو جاتا تھا اس لئے اس اثناء میں امن کا اعلان کر دیا جاتا تھا اور آپس کی خانہ جنگیاں موقوف کر دی جاتی تھیں، اسی طرح محرم کا مہینہ واپس ہونے کے لئے پر امن بنا دیا جاتا تھا اور رجب کا مہینہ عمرہ کے لئے خاص تھا اس لئے اس مہینے میں بھی جنگ ملتوی کر دی جاتی تھی اور اسی بناء پر ان چار مہینوں کو حرام (یعنی حرمت والے) مہینے کہا جاتا تھا۔ لیکن یہ نالائق عرب اگر کسی سے انتقام لینا یا غارت گری کرنا چاہتے تو حرام مہینوں میں بھی جنگ کا اعلان کر دیتے اور کہتے کہ ہمارے لئے یہ مہینے

---

۱ الشھر الحرام بالشھر الحرام والحرمات قصاص ط فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیه بمثل مااعتدی علیکم ص واتقوا الله واعلموا ان الله مع المتقین o

مقدس نہیں ہیں۔ مقدس مہینے بعد میں آئیں گے جب ہم صلح کر لیں گے یا لڑائی ختم کر دیں گے۔ اس طرح جب چاہتے مہینوں کو اور ان کی ترتیب ہی کو بدل دیتے۔"

یہاں تک بیان کر کے فرمایا کہ:-

"آج یہیں تک رہنے دیجئے، باقی انشاءاللہ کل بیان کریں گے۔"

لیکن آہ! وہ ایسا آج تھا کہ جس کی کل قیامت اور روز جزا ہی ہے یہ بات کس کے خیال میں آسکتی تھی کہ "کل" نمودار تو ہوگا لیکن اس "کل" میں چہچہانے والا عندلیب اور اپنی طرز میں بیان کرنے والا مفسر ہمیشہ کے لئے خاموش ہو جائے گا اور "کل" نمودار تو ہوگا لیکن ایک عالم کو جانے والے کے غم میں سوگوار دیکھے گا۔

ایک دن پہلے یعنی ہفتہ کے روز بارش ہو رہی تھی اور مرحوم سمیت درس تفسیر میں صرف چار آدمی تھے، اس لئے وقاتلوھم والی آیت کی تفسیر ختم ہونے کے بعد گزشتہ دو آیتوں کی تفسیر کا خلاصہ بھی بغیر فرمائش بیان کر دیا تاکہ سب لوگ مستفید ہوں اس سے حاضرین بہت خوش ہوئے لیکن یہ کسے معلوم تھا کہ یہ ان کی آخری تفسیر ہے، گزشتہ دو آیتوں کے الفاظ یہ ہیں۔

واقتلوھم حیث ثقفتموھم واخرجوھم من حیث اخرجوکم والفتنة اشد من القتل ولا تقاتلوھم عندالمسجد الحرام حتی یقاتلو کم فیه ج فان قاتلوکم فاقتلوھم ط کذالك جزاء الکافرین ○ فان انتھوا فان الله غفور رحیم ○[1]

ان آیات کے متعلق فرمانے لگے کہ "کتنے کھلے اور صاف احکام ہیں، فرمایا ہے کہ جب لڑائی چھیڑ دیں، معاہدہ توڑ دیں اور خود ابتداء کر دیں تو مارو ان کو جہاں وہ نظر آئیں اور اگر موقع ہو اور ضرورت محسوس ہو تو ان کو مکہ سے بھی نکال دو جہاں سے تم کو انہوں نے نکالا اور اب بھی نکالنے کی کوشش کر رہے ہیں اور کیا اچھی بات فرمائی ہے کہ فتنہ قتل سے بری چیز ہے، اگر چند آدمیوں کو قتل

---

[1] ترجمہ: اور مار ڈالو ان کو جس جگہ پاؤ اور نکال دو ان کو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا اور دین سے بچلانا مار ڈالنے سے بھی زیادہ سخت ہے اور نہ لڑو ان سے مسجد الحرام کے پاس جب تک کہ وہ نہ لڑیں تم سے اس جگہ پھر وہ خود ہی لڑیں تم سے تو ان کو مارو، یہی ہے سزا کافروں کی، پھر اگر وہ باز آئیں تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔" (بالفاظ شیخ الہند)

کر دیا جائے تو یہ کوئی بڑی بات نہیں، لیکن ''فتنہ'' کی وجہ سے بہت سے لوگوں کے قتل ہو جانے کے خطرات پیدا ہو جاتے ہیں، اس لئے اگر وہ فتنہ برپا کریں اور اس فتنہ کو رفع کرنے کے لئے چند آدمیوں کو مسلمان قتل کر دیں تو یہ عین رحمت ہے، پھر سر سید کی تفسیر کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ ''بعض فتنے ایسے اٹھے تھے کہ مسلمانوں کو ''جارحانہ'' اقدام کرنا پڑا، اگر وہ ایسا نہ کرتے تو نہ معلوم کتنے بڑے بڑے فتنے اٹھ کھڑے ہوتے، پھر ''مسجد حرام'' کے معنی بتاتے ہوئے فرمایا کہ کعبہ کے اطراف کی مسجد کو مسجد حرام کہتے ہیں، یہ حرمت والی مسجد بھی ہے اور یہاں بعض حلال اور جائز باتیں حرام بھی ہو جاتی ہیں۔ مثلاً شکار کرنا اور عوام الناس کے بقول ''جانوروں کے سید'' کبوتر تک کو مارنا جو وہاں بہت پایا جاتا ہے، گھاس اکھیڑنا وغیرہ۔ اس کے بعد کہنے لگے پھر حکم ہے کہ مسجد حرام میں اپنے ہاتھ کو ابتداء سے روکو، لیکن اگر وہ وہاں بھی لڑنے لگیں تو ان سے وہاں بھی لڑو اور کاٹ ڈالو کیوں کہ منکروں کی یہی سزاء ہے، ہاں اگر کفار باز آ جائیں اور لڑنا بند کر دیں تو ان سے کہو کہ اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔ باری تعالیٰ کے ابر کرم سے سرسبز وادیاں اور خشک چٹانیں برابر برابر آب رحمت پاتی ہیں، چنانچہ ابو سفیانؓ، عکرمہؓ، ابن ابو جہل، ہندہ اور وحشی اسی حکم کے تحت معاف کئے گئے۔

تفسیر ختم ہوئی تو ایک صاحب نے مرحوم سے شیعہ سنی مسئلہ پر روشنی ڈالنے کی درخواست کی، آپ نے جواب دیا کہ میں واقعات و حقائق اور مختلف لوگوں کی رائیں بتا سکتا ہوں۔ لیکن آپ یہاں اس مسجد میں میری ذاتی رائے دریافت نہیں کر سکتے، یہاں مجھے بالکل غیر جانبدار رہنا پڑے گا اس کے بعد کہنے لگے کہ ''شیعہ حضرات حضرت علیؓ کو افضل اور دیگر خلفاء کو غاصب کہتے ہیں، حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ ہمیں کسی کو کسی پر فضیلت دینے کا کوئی حق نہیں ہے، چنانچہ حدیث شریف میں صراحت فرمایا گیا ہے کہ ''میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں'' ان میں سے تم جس کسی کی اقتدا کرو گے ہدایت پاؤ گے، رہا میرا ذاتی خیال تو میں تمام صحابۂ کرام میں حضرت عمرؓ سے زیادہ متاثر ہوں اور مجھے ان کی طرف خاص کشش ہے، بلکہ ان کے نام ہی سے مجھ پر خاص اثر ہوتا ہے، پھر بات کو مختصر کرتے ہوئے کہنے لگے کہ اب جھگڑوں اور تو تو میں میں سے کیا فائدہ جبکہ جو ہونا تھا ہو گیا۔

مرحوم کا خیال تھا کہ آج سب حاضرین کا نام پوچھیں گے اور ضروری تعارف کرائیں گے اس سے پہلے ایک دن انہوں نے فرمایا تا کہ ہم لوگ ایک دوسرے کو نہیں جانتے، کسی دن آپس میں تعارف کرائیں گے، لیکن طبعیت کی ناسازی کے باعث سارے حاضرین سے نام نہ پوچھ سکے، صرف ایک شخص سے نام دریافت کیا، انہوں نے جواب دیا" تفسیر علیؒ "نام بڑا معنی خیز تھا لیکن کچھ عجیب سا۔ اس لئے اس پر ایک خفیف سا قہقہہ پڑا اور مرحوم نے بھی سنجیدگی سے تبسم فرمایا۔

ایک صاحب نے کہا ایسے بہت سے نام ہوتے ہیں، چنانچہ ایک شخص کا نام" محمد عبدالرب العالمین" ہے۔ مرحوم نے سنجیدگی کے ساتھ مسکرا کر کہا" ایک عالمین بڑھا دیا گیا ہے، عبدالرب تو ہوا ہی کرتا ہے۔" اس کے بعد دوسروں کا نام پوچھے بغیر سلام علیکم کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے، اس دن بارش کی وجہ سے مرحوم نے اپنا ہلکا جوتا مسجد کے اندر لا رکھا تھا، جب باہر نکلنے لگے تو چپکے سے جوتا ہاتھ میں اٹھایا اور باہر لے جا کر نیچے ڈال کر پہن لیا۔ میرے ایک دوست کا بیان ہے کہ میں جوتے کے بالکل قریب تھا لیکن اس پر میری نظر نہ پڑی، جب انہوں نے جوتا اٹھا لیا تو مجھے بڑا افسوس ہوا کہ ہائے اتنا اچھا موقعہ کھو دیا، کاش! میں جوتا لے کر باہر رکھ دیتا، تاہم میں نے فوراً ارادہ کر لیا کہ آئندہ کسی روز ضرور کوشش کر کے جوتا اٹھانے کی سعادت حاصل کروں گا مگر آہ! یہ کسے خبر تھی کہ وہ موقع آخری اور بالکل آخری تھا۔

مسجد کے باہر دو مسلمان طالب علم سامنے آ گئے اور کتابیں طلب کیں، مرحوم نے پوچھا کیا آپ لوگوں کا امتحان ہو گیا؟ کیا پہلی کتابیں واپس کر دیں؟ طالب علموں نے جواب دیا، جی ہاں، فرمایا، چلو میرے ساتھ! کتابیں ضرور ملیں گی۔

ارے بھئی یہ بچے بڑے اچھے ہیں، پھر حاضرین کی طرف دیکھ کر کہا" یہ بچے تو مجھ سے زیادہ قابل ہیں۔" یہ کہہ کر بچوں کو ساتھ لئے گھر کی طرف چلے گئے مگر بارہ پندرہ گھنٹوں کے اندر دنیا ہی سے چلے گئے۔ رحمۃ اللہ وطاب ثراہٗ۔ (حوالہ: ایک ایمان افروز یادداشت، از: ابو منظور شیخ احمد)

۲۵ رجون ۱۹۴۴ء کو صبح تفسیر کے بعد ناشتہ فرمایا اور باہر تشریف لائے۔ ساڑھے دس بجے تک خطوط کے جوابات لکھوائے۔

قائد ملت کی آخری تحریر

حیدرآباد ۲۸ر جون قائد ملت کی آخری تحریر بھی مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ سے ہی متعلق تھی۔ ۲۵ر جون کی شام بزم اقبال میں آخری تقریر کے لئے تشریف لے جانے سے قبل آپ نے جس آخری خط پر دستخط ثبت فرمائے تھے۔ وہ ایک ریاست کے مسلمانوں کی شکایت کے جواب میں تھا جس میں آپ نے اپنی ممکنہ امداد کا وعدہ کرتے ہوئے مسلمانوں کو اپنی اندرونی تنظیم مکمل کرنے کی ہدایت فرمائی تھی اس یادگار خط کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

بخدمت شیخ عبدالرشید عبدالقدوس صاحب صدیقی

مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

آپ کا خط مورخہ ۱۶ر مئی مسلسل دورہ اور مصروفیت کی وجہ سے میری نظر سے آج گزرا، واقعات معلوم کر کے سخت رنج اور افسوس ہوا، آل انڈیا اسٹیٹس مسلم لیگ ریاستی مسلمانوں کی یقیناً مدد کر سکتی ہے، بشرطیکہ وہ اپنی آپ مدد کرنے کیلئے تیار ہوں یعنی کہ وہ پہلے اپنی اندرونی تنظیم مکمل کریں۔ ریاست میں مسلم لیگ یا کسی اور نام سے ایک ادارہ قائم کریں اس کے گرو مسلمانوں کو جمع کریں اور پھر اس ادارہ کا آل انڈیا اسٹیٹس مسلم لیگ سے الحاق ہو، جس واقعہ کا آپ نے ذکر کیا ہے، ایسے بہت سے واقعات آئے دن ہندو ریاستوں میں پیش آتے رہتے ہیں، اس انفرادی مقدمہ میں بھی آپ کی ممکنہ مدد کروں گا، لیکن مستقل علاج وہی ہے جو میں نے اوپر درج کیا ہے، میں ۱۵ر جولائی تک حیدرآباد میں ہی رہوں گا، اگر آپ یا آپ کا کوئی وفد یہاں اگر مجھ سے ملنا چاہے تو مجھے ان سے مل کر مسرت ہوگی۔ فقط

آپ کا مخلص

محمد بہادر خاں

(حوالہ: روزنامہ رہبر دکن، حیدرآباد دکن ۲ر جولائی ۱۹۴۴ء)

قائد ملت نے دوسری رجب کو دن میں ساڑھے گیارہ بجے پہلی اور آخری بار مدرسہ عربیہ نسواں کا دو گھنٹے تک معائنہ فرمایا اس موقعہ پر بیگم قائد ملت بھی موجود تھیں، طالبات مدرسہ عربیہ نسواں حیدر گوڑہ کی تیار کردہ سوزن کاری کو دیکھ کر جو مقوے پر تیار کی جا رہی تھی، بے حد اظہار

خوشنودی فرمایا، معائنہ کے بعد جماعت مولوی میں حسب ذیل مضامین کا پس پردہ امتحان لیا۔

قرآن مجید، ادب، تاریخ اسلام، صرف ونحو، ترجمہ، آپ سوال کرتے جاتے اور طالبات جوابات دیتیں اور آپ بار بار ''شاباش بیٹی جیتی رہو'' فرماتے جاتے، صرف ونحو، ترجمہ اور مضمون نویسی کی کاپیاں دیکھیں، عربی میں زبانی ترجمہ کروایا، طرز تعلیم اور لڑکیوں کی ترقی پر اظہار پسندیدگی فرمایا، آخر میں طالبات نے ایک عربی ترانہ سنایا، واپسی سے قبل ہر دلعزیز قائد اپنی موت سے چند گھنٹے قبل جو نصیحت فرمائی درج ذیل ہے۔

قوم کی بیٹیوں کو آخری نصیحت :- قائد ملت نے کہا تھا کہ ''میں تمہاری تعلیم سے بیحد خوش ہوا، اب کچھ نصیحت کی باتیں مجھ سے سن لو، علم کو خدا نے بہت فضیلت دی ہے، قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے [1] علم آدم الاسماء کلھا ثم عرضھم علی الملائکۃ فقال انبئونی باسماء ھولاء ان کنتم صداقین ہ اسی طرح حدیث نبویؐ میں مروی ہے ''طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ'' [2] شائد تمہیں معلوم ہوگا کہ علم کی دو قسمیں ہیں، ایک علم ادیان اور دوسرا علم ابدان، علم دین کو دیگر علوم پر فضیلت حاصل ہے، یہ تمہارے سوچنے اور عمل کے طریقوں کو درست بناتا ہے، خدا کا خوف اور سچی محبت سکھاتا ہے اور روحانی ترقی میں مدد دیتا ہے، یہ سچ ہے کہ اس کا سیکھنا شروع میں کچھ غیر مانوس سا معلوم ہوگا لیکن کچھ دشوار نہیں، امید ہے کہ آپ ہمت سے کام لیں گی، کیا وجہ ہے کہ آپ سات سمندر پار والوں کی زبان سیکھتی ہیں۔ اور آپ کو آ جاتی ہے اور عربی زبان جو آپ کی قرآن کی زبان ہے آپ کو مشکل معلوم ہو، کوشش کرنے سے کیا کچھ حاصل نہیں ہوتا، اب آپ خود دیکھئے، مسز صوفی جو حیدر آباد کی لائق ترین خواتین میں سے ہیں ان کو عربی، فارسی، اردو، انگریزی سب زبانیں آتی ہیں۔

عزیز بیٹیو! مجھے تم سے جو تمنا ہے وہ یہ ہے کہ تم ماں باپ کی اچھی بیٹی بنو، بھائیوں کی اچھی بہن بنو، بچوں کی اچھی ماں بنو، تمہاری گودوں میں قابل قدر قوم پل کر بڑی ہوگی یہ اس وقت

---

[1] ترجمہ : آدمؑ کو تمام چیزوں کے نام سکھا دیا پھر ان ناموں کو فرشتوں پر پیش کیا اور کہا کہ تم ان چیزوں کے نام بتاؤ اگر تم سچے ہو۔

[2] ترجمہ حدیث : علم کا حاصل کرنا ہر مرد و عورت پر فرض ہے۔

تک ممکن نہیں جب تک تم پوری طرح اپنے کو اس لائق نہ بناؤ۔

وہ عورت کیا جس کو گھر سے زیادہ باہر رہنے میں مزہ آئے، جلسوں اور کلبوں میں اکثر وقت کاٹے، ایسی تعلیم سے بہتر ہے وہ تعلیم جو تم کو یہاں دی جارہی ہے۔ مجھے تمہاری ترقی دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی، امید ہے کہ تم خوب پڑھوگی اور جو پڑھوگی کہوگی اور یادرکھوگی اس پر عمل بھی کروگی، وہ علم کیا جس پر عمل نہ کیا جائے، یادرکھو میں تمہیں امام شافعی کا ایک مقولہ سناتا ہوں اسے یاد کرلو اور ہمیشہ کے لئے یادرکھنا۔ ع

شکوت الیٰ وکیع سوء حفظی فاوصانی الی ترک المعاصی
فان العلم نور من الهی ونور الله لا یعطنی لعاصی [1]

خدا کرے تم اچھی بیٹی، اچھی بہن اور اچھی بیوی بنو، پھر تم ہر قسم کی معاصی کو ترک کردوگی، بے جا نذاق معاصی میں داخل ہے، چغلی، ایک دوسرے کی برائی کرنا معاصی میں داخل ہے، ماں باپ سے بدزبانی کرنا معاصی میں داخل ہے، خدا والدین کی شان میں فرماتا ہے کہ تم انہیں ”اف تک نہ کہو“ اس لئے نافرمانبرداری بھی معاصی ہے، چھوٹوں پر شفقت سے پیش آؤ، بڑوں کی اطاعت اور ادب کرو، جھوٹ اور غیبت سے بچو، سمجھ لو کہ ترک نماز گناہ ہے لوگ کہتے ہیں نماز نہ پڑھنا گناہ ہے میں کہتا ہوں کہ نماز کو ترک کرنا گناہ ہے ان سب پر عمل کرو ورنہ تمہاری تعلیم سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں، امید کہ تم ان دو چار باتوں کو یادرکھوگی اور عمل کر کے دوسروں کو عمل کی ترغیب دلاؤگی۔

میں تم کو اور تمہارے اساتذہ کو اور اس کمیٹی کو جو اس ادارہ کی ترقی میں کوشاں ہے مبارکباد دیتا ہوں۔

”اچھا بیٹیو خدا حافظ“

(حوالہ: روزنامہ صبح دکن حیدرآباد ۱۲؍جولائی ۱۹۴۴ء)

دوپہر میں گھر لوٹے، بیگم صاحبہ کے ساتھ کھانا تناول کیا پھر لیٹ گئے جیسا کہ عادت تھی،

---

[1] میں نے وکیع (امام شافعی کے استاد) سے اپنے سوء حافظہ کی شکایت کی تو انہوں نے فرمایا تم گناہوں کو ترک کردو کیوں کہ علم انوار الٰہی میں سے ہے اور اللہ کا نور کسی گناہ گار کو عطا نہیں کیا جاتا۔“

لیٹتے ہی سو گئے، چار بجے اٹھے تو دیکھا، بیگم صاحبہ ہنوز محو خواب ہیں، کپڑے تبدیل کر کے چاہا کہ ہاتھ میں جوتے لئے دبے پاؤں باہر نکل جائیں لیکن بیگم صاحبہ کی آنکھ کھل گئی، ٹھٹھک کر مسکرایا اور کہا "ارے تم اٹھ گئیں اتنے برس تک تو تم ہی برابر جوتے پہناتی رہی ہو، آج ارادہ تھا کہ میں خود پہن لوں گا۔" اتنے میں چائے آ گئی، چائے پی اور درس اقبال میں شرکت کے لئے چلے گئے۔ اقبال کی مثنوی "پس چہ باید کرد اے اقوام مشرق" زیر درس تھی اور حکمت کلیمی کے اس شعر پر گفتگو تھی۔

مرد حق ، افسوں ایں دیر کہن

از دو حرف ربی الاعلیٰ شکن

کہنے لگے بعض مقامات جلد گزرنے کے نہیں ہوتے، آج یہیں ٹھہر جائیں، بزم برخواست ہوئی، نماز مغرب باجماعت ہوئی، اہل محفل رخصت ہوئے، اقبال کا ایک مصرعہ ورد زبان تھا۔ ع

حیات ذوق سفر کے سوا کچھ اور نہیں

اب قائد ملت جسٹس ہاشم علی خاں کے یہاں دعوت میں جانے کی تیاری میں تھے، جہاں شہادت، ان کی زندگی کے دروازے پر دستک دینے کے لئے انکا انتظار کر رہی تھی۔

◆◆◆

منصب قیادت کی ذمہ داری

حیدری دورِ وزارت

مجلس اتحاد المسلمین کی صدارت کی گراں باز ذمہ داریاں ایک ایسے پرآشوب زمانے میں ان کے کندھوں پر آئی جب کہ برطانیہ ہند سے اٹھنے والی سیاسی تحریکوں کی سیلابی موجوں کا رخ پوری طرح ساحل دکن کی طرف تھا اور دوسری طرف یکم ستمبر ۱۹۳۹ء کو جرمن' پولستان پر حملہ کر کے دوسری عالمگیر جنگ کا آغاز کر چکا تھا۔ جنگ کے دوران سیاسی بازی گری نے مصالحت کے پہلو نکالے۔

ہندوستان کو مابعد جنگ مقبوضاتی درجہ دینا طئے پایا۔ ایسی صورت میں حیدرآباد کی سابقہ خود مختار حیثیت کی بنیاد پر مفوضہ علاقوں کے استرداد اور حلیف برطانوی حکومت کے درمیان خود مختاری کے مسائل کا سوال تھا۔

نظام والی ریاست اس نازک سیاسی موڑ پر جب کہ ابنائے وطن کو انگریزوں نے سیاسی ہتھیار کے لئے سیاسی مضراب فراہم کئے تھے۔ مصلحت وقت کے تقاضوں کو اپنا رہے تھے اور ان کو اپنی ذات اور دولت کے تحفظ کی طمانیت کافی تھی' ایک مسلمان فرمارواکی اس ناعاقبت اندیشی سے دکن کے مسلمانوں میں اپنی بے بسی کا احساس جاگا۔ اب وہ منزل آ چکی تھی جب ریاست کے مستقبل کی صیانت کی کامل ذمہ داری منصب قیادت کا فرض بن چکی تھی۔

منصب قیادت کی ذمہ داری کا تقاضہ یہ تھا کہ مستقبل کی صیانت کے لئے مسلک اور نصب العین کو استوار کر کے قومی و سیاسی جدوجہد کی ایسی راہ عمل متعین کی جائے جو وقت کے سیاسی تقاضوں کا ساتھ دے سکے' قائد ملت اس نازک سیاسی صورتحال میں پورے جوش عمل اور تنویر یقیں کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے چوں کہ مستقبل کی صیانت کی جوابدہی کی تاریخی ذمہ داری اس مدحر

کے شانوں پر تھی۔

قائد ملت نے نظام اور حکومت برطانیہ کو دکن کے مسلمانوں کے احساسات و جذبات سے آگاہ کرتے ہوئے دکن کی آزادی کے تعلق سے جرأت' صداقت اور پوری دیانت کے ساتھ عوامی احساسات کی ترجمانی فرمائی۔

''دوسری عالمگیر جنگ آج صفات انسانیت کی تباہی کا سامان پیدا کر رہی ہے۔ مجھے اس وقت اس سے بحث نہیں کرنی ہے کہ دو متحارب فریقوں میں کون برسر حق ہے لیکن مجھے یہ ضرور دیکھنا ہے کہ اس عظیم الشان جنگ کے نتائج و عواقب ہندوستان اور حیدرآباد پر کیا مرتب ہوں گے۔

جو سوال کبھی کبھی حیدرآبادی مسلمان کے دل میں کھٹک جاتا ہے اور اس کو بے چین کر دیتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ ان کی بے ریا' مخلصانہ اور وفادارانہ دوستی کا تاریخ کے ہر دور میں ان کو کیا صلہ ملا اور آئندہ وہ کیا توقع رکھ سکتے ہیں۔

اگر اس جنگ عظیم کا نتیجہ یہی ہے کہ دو سو سال کا غلام ہندوستان دنیا میں پھر ایک مرتبہ زیر سرپرستی تاج برطانیہ آزادی کی سانس لے تو اس کا دوسرا لازمی نتیجہ یقیناً یہ ہونا چاہئیے کہ حیدرآباد نے جتنے اقتدارات ذمہ داریاں اور جتنے علاقہ جات اور مقبوضات تاریخ کے مختلف ادوار میں اپنے حلیف کے تفویض کئے تھے وہ سب بلا کسی شرط کے اس کو واپس کر دیئے جائیں اس کے دوسرے الفاظ میں یہ معنی ہوں گے کہ ایک طرف حیدرآباد کے جغرافیائی حدود میں برار شمالی سرکار اور مچھلی پٹن داخل ہوں گے اور دوسری طرف حیدرآباد ایک آزاد اسلامی سلطنت کی حیثیت سے آزاد ہندوستان اور دنیا کے دوسرے آزاد ممالک سے اپنے سیاسی تعلقات قائم کرنے کا مجاز ہوگا۔ (حوالہ: خطبات بہادر یار جنگ ص ۹۲' ۹۳' ۹۵' ۹۷ دار الاشاعت سیاسیہ حیدرآباد)

ایک طرف مسلمانوں کے قائد کی یہ مساعی کہ حیدرآباد اپنے پورے شاندار ماضی اور سابق جغرافیائی موقف کے ساتھ ایک اسلامی حکومت کی صورت میں آزاد و خودمختار حکومت کی حیثیت سے باقی رہے تو دوسری طرف نام نہاد ناخدا کی ناعاقبت اندیشی کا یہ حال کہ بیرونی طوفان کو دعوت نامہ لکھنے اور دام موج کے پہنچنے سے پہلے وہ کشتی حیات کو غرق کر دینے پر مائل تھے۔

ناعاقبت اندیش نام نہاد ناخدا کے حال زار پر تبصرہ کرتے ہوئے قائد ملت نے ارشاد

فرمایا:-

''ہندوستان کے وسیع سمندر میں موجیں اٹھ رہی ہیں، طوفان آ رہے ہیں، سطح مرتفع دکن کے خاک کے ذرے ان طوفانوں کو خود آگے بڑھ کر دعوت دے رہے ہیں اور کشتی دکن کے نام نہاد ناخدا ان طوفانوں کو اٹھتا ہوا دیکھ کر لرزہ براندام حیات سے مایوس اور دام موج کے پہنچنے سے پہلے کشتی حیات کو غرق کر دینے پر مائل نظر آتے ہیں۔

حیدرآباد کی انفرادیت اور استقلال کی بقاء ضروری ہے۔

(حوالہ: خطبات بہادر یار جنگ، دارالاشاعت سیاسیہ حیدرآباد)

''برطانوی حکومت نے جب ہندوستان کو قلمروی مرتبہ دینے کا اعلان کیا تو بہادر یار جنگ کے سمندر ناز کو ایک اور تازیانہ لگا، انہوں نے پیراموشی کے تارو پود بکھیرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور اس مطالبہ میں شدت پیدا کر دی، سیاسی بصارت کا تقاضا یہی تھا اور اس خصوص میں قائد ملت کو فوری فیصلہ کر کے دکن کے سیاسی مستقبل کی صیانت کی ضمانت حاصل کرنا تھا۔

سیاست سے زیادہ کسی اور شعبہ حیات میں فوری فیصلوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔

(حوالہ: دکن کی ایک کثیر جہتی شخصیت، از: ڈاکٹر حمید اللہ، ص:۴، روح ترقی ۱۳۶۷ء)

حیدرآباد کی خود مختار حیثیت کی بنیاد پر مفوضہ علاقوں کے استرداد اور حلیف برطانیہ کی حیثیت میں ریاست کی کامل خود مختاری کے مسائل کے حل میں مسٹر گڈنی ریزیڈنٹ کے علاوہ سر فرانسس وائیلی مشیر حکومت ہند سے ملاقاتیں کیں۔ صدر اعظم باب حکومت کو ایک جامع یادداشت پیش کی، جس میں وزیر اعظم باب حکومت کو لکھا کہ:

اب جب کہ سر اسٹافورڈ کرپس کے ہندوستان بھیجے جانے کا اعلان ہوا ہے، مجلس جناب کی توجہ کو اس طرف منعطف کرانا ضروری تصور کرتی ہے۔ یہ امر یقیناً جناب کے پیش نظر ہوگا کہ حیدرآباد کی حیثیت ہندوستان کی دوسری ریاستوں سے بالکل مختلف ہے۔ حیدرآباد کا معاہداتی موقف ہمیشہ ایک آزاد اور خود مختار سلطنت کا رہا ہے اس لئے مجھے اور مجلس کو یقین ہے کہ اس کے مسائل پر عام ریاستی مسائل سے ہٹ کر خصوصی حیثیت میں غور کیا جائے گا۔ حیدرآباد نے اپنے حلیف کی ہر آڑے وقت میں جس کشادہ پیشانی اور وسعت قلب کے ساتھ امداد کی ہے اس کے

حقیقی اعتراف کا اگر کوئی وقت ہوسکتا ہے تو وہ یہی ہے۔

(حوالہ: مکتوب نمبر ۲۶۹ مورخہ ۱۹ / مارچ ۱۹۴۲ء بنام صدر اعظم مملکت اسلامیہ آصفیہ)

قائد ملت کے اس اعلان آزادی کے مطالبہ سے حکومتی حلقہ میں زلزلہ آ گیا۔ کنگ کوٹھی سے ریزیڈنسی تک دہلی اور شملہ میں ایک ہلچل پیدا ہوگئی۔

نواب صاحب کی سیاسی سرگرمیاں، ساتھ ہی ریاست حیدرآباد سے باہر ان کی غیر معمولی مقبولیت وشہرت کے باعث حیدری حکومت جو اس موقعہ پر لرزاں وترساں تھی چاہتی تھی کہ نواب صاحب کے خلاف معاندانہ حربے استعمال کئے جائیں مگر عواقب ونتائج بھیانک تصور سے خائف بھی تھی، اس خصوص میں حکومت ہند کے پولیٹکل ڈپارٹمنٹ سے مشاورت کی کہ وہ نواب صاحب کو گرفتار کرنا چاہتی ہے۔

سر فرانسس وائیلی حکومت ہند کے سیاسی مشیر کی حیثیت سے پولیٹکل ڈپارٹمنٹ کے انچارج بھی تھے۔ جنہیں نواب صاحب کی قیادت کی روز افزوں مقبولیت کا اندازہ تھا۔

پولیٹکل ڈپارٹمنٹ نے جواباً مطلع کیا کہ ریاستی حکومت نواب صاحب کو اپنی ذمہ داری پر گرفتار کرسکتی ہے اس جواب سے اسٹیٹ پولیٹکل ڈپارٹمنٹ کے معہود ذہنی کا پتہ چلا تو حیدری حکومت مجبوراً اس ارادے سے دست بردار ہوگئی۔

اصلاحات کے دور سے سر اکبر کی نواب صاحب کے تعلق سے معاندانہ کارروائیوں کا در پردہ سلسلہ چلتا رہا، نظام کے اطراف ان کے خوشامدی سازشی درباریوں سے سر اکبر نے ایک ایسا حلقہ بنا دیا جو سر اکبر کی سازشوں کو کامیاب بنانے میں ان کی معاونت کرتا رہا۔ خود نظام کے ذہن میں یہ بات بیٹھا دی گئی کہ نواب صاحب کی بے پناہ مقبولیت سے اس امر کے آثار پیدا ہوگئے ہیں کہ اٹلی کے مسولینی اور جرمنی کے ہٹلر کی طرح وہ دکن میں آمریت اختیار کرلیں گے، مرحلہ اول تو ختم ہوگیا مگر مرحلہ دوم میں پھر ایک اور سیاسی بساط بچھائی گئی۔

دوسری بساط سیاست

۱۹۴۱ء

جاگیر وخطاب سے دست برداری ۸/ستمبر ۱۹۴۱ء کو جریدہ غیر معمولی میں نظام کا ایک

فرمان شائع ہوا جس کی رو سے معاشداروں کو سیاست میں حصہ لینے پر امتناع عائد کر دیا گیا۔ اس طرح اگر وہ معاشدار (جاگیردار منصب دار وغیرہ) اپنی معاش سے دست بردار ہو کر سیاست میں حصہ لینا چاہیں تو وہ اپنے فیصلے میں آزاد تھے۔

یہ فرمان قائد ملت کو سیاست کے میدان سے ہٹانے کے لئے سر اکبر اور درباری سازش کا آخری وار تھا' والی ریاست یہ سمجھتے تھے کہ اس طرح بہادر یار جنگ کو اپنے خطاب' جاگیر اور لوازمہ سے محروم ہونے کا تصور ہی سیاست سے دست بردار ہونے پر مائل کر دے گا۔ دوسری طرف قائد ملت مزاج باغباں سے پوری طرح واقف تھے اور انہیں اس بات کا بھی احساس تھا کہ ان کے قومی وملی کاموں میں جو ریاست کی بقاء کی ضمانت تھے' حیدری حکومت اور نظام والی ریاست کی بصارت سیاسی سے محرومی کے باعث قدم قدم پر رکاوٹیں پیدا کر رہے ہیں' نظام اور ان کے سازشی درباریوں کی سازشوں سے وہ پوری طرح واقف تھے اور اس سازش و آزمائش سے مقابلے کے لئے تیار و آمادہ بھی' انہوں نے اس رکاوٹ کے خلاف جو مجلس کے راستے میں پیدا کی جارہی تھی اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

"مجلس کے راستے میں ہر قسم کی رکاوٹ پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے' ملازمین سرکار کو اس میں شرکت کی ممانعت کی گئی اور اب معاشداروں' خطاب یافتہ' اور صاحب مناصب و اعزاز مسلمانوں کو بھی اس کی شرکت سے ممنوع قرار دیا جارہا ہے۔"

قائد ملت کو نظام کے تعلق سے اس بات کا پورا اندازہ تھا کہ

"جن کو ہم اپنا سمجھتے ہیں وہ فی الحقیقت ہمارے نہیں۔"

(حوالہ: مکاتیب بہادر یار جنگ جلد دوم ص ۶۴)

نظام کے فرمان کی روشنی میں قائد ملت نے ۳ر اکتوبر ۱۹۴۱ء کو جاگیر خطاب' جمعداری سے اپنی دست برداری کا استعفی راست نظام کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس طرح قائد ملت نے جاگیر' جمعداری' موروثی اعزازات پالکی' مایا یہ چتر' آفتاب گیری' بھالا برچھا' بلم اور ڈنکہ نشان سے سبکدوش ہو گئے۔

نظام نے ہر سطح پر کوشش کی کہ قائد ملت اپنی دست برداری سے دست بردار ہو جائیں مگر

یہ ممکن نہ ہوسکا' والی ریاست نے اس خصوص میں فرمان جاری کیا۔ یہ فرمان اپنی خفت مٹانے اور یہ ظاہر کرنے کے لئے جاری کیا گیا کہ یہ اتفاق ہے کہ اس قانون کا اطلاق بہادر یار جنگ پر بھی ہوتا ہے کیوں کہ وہ بھی معاش دار ہیں۔ ویسے نظام والی ریاست انہیں اپنا خیر خواہ سمجھتے ہیں اور عقلمند وفہیم بھی۔

''ہم نہیں چاہتے کہ کسی خاص وجہ کے بغیر ان کو خاندانی اعزاز سے محروم کر دیا جائے اور وہ بلاشبہ ہمارے خیر خواہوں میں سے ہونے کے علاوہ عقلمند اور فہیم ہیں۔''

قائد ملت کو اس بات کا بڑا دکھ تھا کہ نظام والی ریاست کو ان کی وفاداری پر شک تھا اور وہ سازشیوں کے ذریعے قائد ملت کی راہ وفا میں جو ریاست کی صیانت کی ضمانت تھی' کانٹے بچھا رہے ہیں۔

''میں اپنے مالک کا شکر گذار ہوں کہ انہوں نے معاشدار رہنے یا سیاست میں حصہ لینے کا انتخاب خود ہماری صوابدید پر چھوڑا۔

اب سونچنا چاہئیے کہ آیا میں بحیثیت معاشدار ہر قسم کی سیاسی کوشش سے الگ رہ کر اپنے مالک کا حق نمک ادا کرسکوں گا یا وقت آ گیا ہے کہ سیاست حاضرہ سے متعلق رہ کر میں اس نمک خواری کا حق ادا کروں جس کا شرف میری پانچ پشتوں کو نصیب رہا ہے۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ یہ امتحان وفا کا وقت ہے۔ مجھ سے بڑھ کر دنیا میں کوئی خود غرض تن آساں' بندہ زر اور نمک حرام نہ ہوگا' اگر میں اس زمانہ میں محض اپنی جاگیر اور اعزاز کے خیال سے مالک اور ملت و ملک کی خدمت گذاری سے روگردانی کروں۔ یہ تو بہت مبارک ہوا کہ اب دیوانہ کوئے محبت جیب و دامن کی فکر سے بھی آزاد ہو رہا ہے۔ میں اس کو اپنے لئے نہ کوئی پابندی سمجھتا ہوں نہ سزاء بلکہ یہ تو میرے لئے پروانۂ آزادی ہے' پابندی بھی ایک سزا ہوتی ہے۔ اور میں کسی سزاء کا مستحق نہیں ہوں۔

کسی شاعر نے میرے ہی لئے کہا ہے۔

وفا خطا تھی خطا میں نے زندگی بھر کی
اب اس کے بعد جو مرضی ہو بندہ پرور کی

میں آج اپنی پانچ پشتوں کے کھائے ہوئے نمک کو حلال کر رہا ہوں اور نہایت مسرت

کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ۔

بیا جاناں تماشہ کن کہ در انبوہ جاں بازاں
بصد سامان رسوائی سر بازارمی رقصم

تو آں قاتل کہ از بہر تماشہ خون من ریزی
من آں بسمل کہ زیر خنجر خوں خوارمی رقصم

انشاء اللہ زمانہ خود بتادے گا کہ میں کیا ہوں اور میں نے کس طرح اقتدار شاہی کا تحفظ کیا ہے۔

اس خصوص میں ایک اور تقریر میں فرمایا :-

میرے آشیانے پر بجلی چمک رہی ہے اس کو جل جانے دو، تمہارے لئے یہ مبارک فال ہے، یہی ابر تمہارے گلشن حیات پر برسیں گے اور بہت جلد اس میں بہار آئے گی، میں اپنے اجڑے ہوئے آشیانہ کی خاکستر پر بیٹھا اس بہار کا لطف اٹھاؤں گا، ہوائیں چل رہی ہیں۔ ابر چھٹیں گے، آفتاب امید چمکے گا اور دنیا دیکھے گی کہ حق ہمیشہ کامیاب ہوتا ہے اور باطل کے پہاڑ دھنکی ہوئی روئی کی طرح اڑتے ہوئے نظر آئیں گے۔ (حوالہ بہادر یار جنگ کی سیاسی تقریریں، مرتبہ نذیر الدین احمد (ص:۲۷۴ تا ۲۷۹) ناشر بہادر یار جنگ اکیڈیمی، حیدر آباد۔ انڈیا)

جب جاگیر سے دست برداری کرلی تو ایک قریبی شخصیت نے پوچھا یہ کیا کیا؟ تو مسکراتے ہوئے نواب صاحب نے جواباً ارشاد فرمایا:

آ گئے تھے برق کی زد میں تمام اہل چمن
ہم نے اپنے آشیانے کو مقابل کردیا

''جب بہادر یار جنگ کی شہرت کا سورج اوج پر اور خطابت کا سمندر موج پر تھا تو انہیں ایک روز نظام دکن کی طرف سے دو فرمان ملے۔ جن کے عنوان عطا اور سزاء تھے۔ بہادر یار جنگ نے طبعیت مشکل پسند اور حق پسند پائی تھی اس لئے سزاء والے فرمان کی رسید لکھ دی، خطاب واپس ہوا اور جاگیر ضبط ہوئی، فقر میں اضافہ ہوا، عزت اور توقیر بڑھ گئی۔''

وہ آنکھ جو جذبوں کے سمجھنے سے قاصر ہوتی ہے وہ اس حقیقت سے آشنا نہیں ہوتی کہ

جب ظلمتیں، سحر کے جلووں کے درمیان حائل ہونا چاہتے ہیں تو قانون قدرت کے مطابق سحر کے جلوے پوری آب وتاب سے ظلمتوں پر چھا جاتے ہیں اور حادثے جب ظرف ونظر کا امتحان لیتے ہیں تو مردان حر کے حوصلے پست نہیں ہو جاتے۔ یہ مشکلات ان کے دل کا حوصلہ بڑھانے کا وسیلہ بن جاتے ہیں، جاگیر وخطاب کے چھین لئے جانے کی دھمکی اور شہر بدر کردیئے جانے کی بابت اس عظیم انسان نے جواباً کیا کہا تھا۔

''مجھے دھمکایا جارہا ہے کہ میری جاگیرات وخطابات چھین لئے جائیں گے۔ مجھے ڈرایا جارہا ہے کہ شہر بدر کردیا جائے گا' جہاں تک جاگیرات کا تعلق ہے میں بتلا دینا چاہتا ہوں کہ نہ جان میری ہے اور نہ مال میرا۔ سب اللہ کا ہے۔ ان صلاتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العالمین رہا خطاب کا سوال' جب میں پیدا ہوا تھا میرا نام ماں باپ نے محمد بہادر خاں رکھا اور آپ کی عنایت سے ۱۸ سال سے نواب بہادر یار جنگ کے خطاب سے پکارا جارہا ہوں اور محمدؐ کی وابستگی سے محروم کردیا گیا ہوں' بڑا اچھا ہوا کہ وہ محبوب ومتبرکؐ نام پھر سے میرے ساتھ ہے۔ (''آوازدوست'' مختار مسعود)

''جال پھینکے گئے' دام بچھائے گئے' اقبال کا شاہین کوہساروں کی بلندیوں کی طرف مائل بہ پرواز رہا۔ قصر سلطانی کی گنبد کا کبوتر نہ بن سکا۔ آزمائشوں میں عشق فائز المرام ہوا۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق

حکومت برطانیہ کی طرف سے ولیعہد کو خطاب کی سرفرازی

۱۹۴۲ء

اس خطاب کی سرفرازی کے دو ہی دن بعد ایک بیان شائع ہوا اور ساتھ ہی ولیعہد کے نام ایک خط بھی مبارکباد کا روانہ کیا' اس خط میں اپنے مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرمایا تھا۔

''یہ موروثی وابستۂ دامن دولت اجازت چاہتا ہے کہ خواجہ حافظ کے ایک شعر میں اپنے مسلک زندگی کی وضاحت اپنے آقازادہ پر کرے۔ خواجہ حافظ فرماتے ہیں۔

تو بندگی کن و از خواجہ التماس مکن

کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

قائد ملت کے ۲۶؍جنوری ۱۹۴۳ء کے بیان نے حیدر آباد سے دلی اور دلی سے لندن تک سیاسی اضطراب کی ایک لہر دوڑادی' حکومت برطانیہ نے اس بیان کو اپنی توہین متصور کیا جس کے جواب میں قائد ملت کو مزید ایک وضاحتی بیان جاری کرنا پڑا جو پہلے بیان سے زیادہ واضح اور سخت تھا۔

پہلے بیان میں نواب صاحب نے صرف اس قدر فرمایا تھا کہ ''پرنس کے واسطے یہ خطاب وجہ ناز نہیں' یہ تو محکومی کی دلیل ہے۔'' لیکن دوسرے وضاحتی بیان میں سیاسی مسلک کو بروقت پیش کر کے طوق غلامی سے آزادی کی بات صاف صاف بیان فرمادی۔اب ان بیانات کا اثر طبع نازک پر کتنا گراں گذرا۔

سیاسی اضطراب نے نظام والی ریاست کو حالت پینک سے جگایا کونسل کی میٹنگ ہوئی۔ گرگسن کا خیال تھا کہ بہادر یار جنگ پر مقدمہ چلایا جائے' اسی دوران ریزیڈنٹ کی خفگی نے اس مسئلہ کو سختی سے حل کرنے کے لئے دہلی سے ہدایت حاصل کی۔

۲۲؍جنوری ۴۳ء کو سر ہنری کریگ سیاسی مشیر حکومت ہند نے سزاء کے طور پر یہ تجویز پیش کی۔

◆◆◆

وزارت کا جال

۱۹۴۳ء

خطاب و جاگیر واپس کر کے وہ اپنا ذہنی بوجھ اتار چکے تھے مگر نواب میر عثمان علی والی ریاست حیدرآباد کو اپنی مجرمانہ طرز فکر کے باعث یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ جاگیر و خطاب کی زنجیروں سے رہا ہو کر یہ میرے لئے اور بھی خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں۔ اس لئے انہیں وزیر بنادیا جائے تو وزارت کی یہ بیڑی انہیں پابہ وفا بنائے رکھے گی۔ چنانچہ قائد ملت کو ۱۹۴۴ء تک ۳ مرتبہ وزارت کا خود والی ریاست نظام کی جانب سے پیش کیا گیا لیکن اس مرد حر نے صاف صاف کہہ دیا:-

''میں کرسی وزارت پر بیٹھ کر مہمات سلطنت پر غور کرنے کے لئے نہیں بلکہ گرد کوچہ و بازار بن کر قلوب کی دنیا میں طوفان برپا کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہوں۔ میرا مقام صرف دامن کوہ اور وسعت صحرا ہے' میں وہ مزدور ہوں جو راستہ تیار کرتا ہے کہ ملت کی گاڑی آسانی سے منزل مقصود تک پہنچ جائے اور میرے لئے یہی فخر کافی ہے کہ میں وابستہ دامنِ محمد یہ سے ہوں۔'' (حوالہ بہادر یار جنگ کی سیاسی تقریریں۔ مرتبہ نذیر الدین احمد ناشر بہادر یار جنگ اکیڈیمی' حیدرآباد۔

جاگیر اور خطاب کی واپسی
ایک اور سیاسی چال

۱۹۴۴ء میں پھر نظام نے یہ طئے کیا کہ نواب صاحب کا خطاب و جاگیر وغیرہ واگذاشت کردی جائے جو بعنوان ''نذر پیش کردہ بہادر یار جنگ قبول کردہ محفوظ در خاندان او (یعنی برائے او) کا ذکر ۱۰/ربیع الثانی ۱۹۶۳ء مطابق ۱۶/اپریل ۱۹۴۳ء کو نظام گزٹ میں شائع ہوا۔

۱۹۴۴ء میں سر سعید الملک نواب صاحب چھتاری صدر اعظم تھے انہیں نظام نے اس خصوص میں کہا ''سرکار نے فرمایا کہ سالگرہ کے موقعہ پر بہادر یار جنگ کی جاگیر واپس کردی جائے'

ریزیڈنٹ سے کہنا کہ میری بھی یہی رائے ہے۔''

(حوالہ: یاد ایام حصہ سوم از: نواب صاحب چھتاری' ص:۱۶۱۔ ۷/ مارچ ۱۹۴۴ء)

۱۶/ مارچ ۱۹۴۴ء کو نواب صاحب چھتاری نے اس خصوص میں ریزیڈنٹ سے ملاقات کی' ''ریزیڈنٹ سے بہادر یار جنگ کی واپسی جاگیر کے متعلق گفتگو کی۔'' (یاد ایام' ص:۱۶۲)

یہ اعلان صرف یہ جاننے کے لئے کیا گیا تھا کہ اس اعلان کے بعد بہادر یار جنگ کا سیاسی رویہ تبدیل ہوتا ہے یا نہیں۔ قائد ملت کو واپسی جاگیر و خطاب سے کوئی دلچسپی باقی نہ تھی جب نظام نے دیکھا کہ اس فرماں عطا کا کوئی اثر نہیں ہوا ہے تو منشاء فرماں جاری ہو چکا تھا جس کی تعمیل بھی فرمارواپر واجب تھا۔

بالآخر یکم رجب ۲۳/ جون ۱۹۴۴ء کا دن آ گیا جس دن والی ریاست کی سالگرہ تھی' خطابات سے نوازے جانے والے نوازے گئے مگر قائد ملت کی نہ تو جاگیر بحالی کی گئی اور نہ ہی خطاب اور اس خصوص میں کوئی فرمان بھی جاری نہیں کیا گیا۔

البتہ ۳/ رجب ۱۹۶۳ء '۲۵/ جون ۱۹۴۴ء سالگرہ کے تیسرے دن والی ریاست کی ایماء پر (چوں کہ نظام کی مرضی اور منشا کے بغیر نظام کے مطلوب سازشی اتنا بڑا اقدام کرنے کی جرات تو بڑی بات ہے' سوچنے کی ہمت بھی نہیں کر سکتے تھے۔) ریاستی سیاست اور درباری سازش نے' ہاشم علی خاں رکن عدالت العالیہ کے گھر پر ایک خصوصی دعوت کا اہتمام کیا گیا جس میں دو کے سوا باقی سب ہی اس سازش میں شریک افراد تھے' اعلی حکمۃ الحق کا جو خمیازہ علامہ جمال الدین افغانی کو ترکی میں بھگتنا پڑا' وہی بہادر یار جنگ کے لئے (ہاشم علی خاں کے گھر) حیدرآباد میں مقدر تھا۔

جمال الدین افغانی کو زہر آلود خلال کے ذریعے ختم کیا گیا اور بہادر یار جنگ کو دعوت طعام میں کھانے سے قبل حقہ میں زہر دیا گیا' بہادر خاں کی آواز سے خسروی دبدبۂ شہنشاہی پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔ اعیان مملکت اور عمائدین سلطنت پر غشی طاری ہو جاتی تھی' ان کی سیاسی بصیرت اور آواز حق سے شاہی کاخ وایوان کی بنیادیں ہل گیئں تھیں۔ بالاخر نظام نے سازش کا ایک جال بچھایا اور طئے پایا کہ اس کا راستہ روک دینا چاہیئے' اس کا گلا گھونٹ دینا چاہیئے۔ وہ مرد مومن ان حربوں سے واقف تھا' نظام کی سانس کے ہلکے سے ہلکے زیر و بم کا نفسیاتی پس منظر بھی نواب

صاحب کی نگاہوں سے پوشیدہ نہ رہا۔ وہ مزاج باغباں سے خوب واقف تھے‘ لیکن وہ اپنی زندگی کی پرواہ کئے بغیر امتحانوں اور آزمائشوں سے گذرتے رہے۔

بہادر یار جنگ ریاست حیدرآباد کے والی اور ریاست کے عوام کے لئے شمع راہ وفا تھے مگر نظام نے انہیں راہ کا پتھر سمجھا‘ کیا خبر تھی کہ شراروں میں تلے گی شبنم۔ انہوں نے نظام کی راہ وفا کی دھوپ میں اپنی جان‘ جان آفریں کے سپرد کر دی اور۔

یوں جاں دی وفا میں کہ قاتل تمام عمر
دل کی عدالتوں میں سزاء ڈھونڈتا رہا

◆◆◆

حکومت برطانیہ کی طرف سے ولیعہد کو خطاب کی سرفرازی

۱۹۴۳ء

یکم جنوری ۴۳ء کو اعلیٰ حضرت حضور نظام کے لخت جگر کو ''نائٹ آف دی گرانڈ کراس آف دی موسٹ ایکسلنٹ آرڈر آف دی برٹش امپائر''

جس کا مخفف .G.B.E ہے' انگریز کی طرف سے عطا ہوا۔

تفصیلات سے قبل پس منظر اس خطاب کے عطا کا یہ تھا کہ سر سعید الملک نواب صاحب چھتاری سے (جو انگریزوں کی GOOD... BOOK میں سرفہرست لوگوں میں شامل تھے اور نظام کے وزیر اعظم تھے)۔ نظام نے خواہش کی تھی کہ ولیعہد کو خطاب ملنا چاہیئے ۔نواب صاحب کی کوشش سے یہ خطاب ولیعہد کو ملا۔اب آگے کی کہانی سعید الملک کی زبانی مزہ دے گی ''یکم جنوری ۴۳ء کو ولیعہد پرنس آف برار کو G.B.E کا خطاب مل گیا۔حضور نظام کو مبارکباد کا عریضہ بھیجا۔جمعہ کی نماز جو مسجد میں (باغ عام) میں سرکار پڑھتے تھے اور میں حاضر ہوتا تھا' سرکار آئے۔بہت خوش تھے۔پوچھا یہ کیا خطاب ہے۔میں نے عرض کیا جو سرکار کے پاس بھی ہے وہی یہ ہے۔شام کو پرنس نے چائے پر بلایا۔وہ شکر گزار تھے اور بہت مسرور تھے۔۳/جنوری ۱۹۴۳ء کو سرکار کا مطلوبہ حاضر ہوا۔ .G.B.E کے متعلق کچھ اس طرح فرمایا کہ یہ کوئی چیز نہیں۔میں نے عرض کیا کہ جیسا حضور نے حکم دیا کہ یہ خطاب پرنس کو ملنا چاہیئے اس کی تعمیل ہوئی اور بہت سے والیان ملک تو اس پر رشک کرتے ہوں گے۔اس کے دو ہی ایک روز بعد بہادر یار جنگ کی طرف سے ''رہبر دکن'' میں ایک مضمون شائع ہوا۔'' (حوالہ: یاد ایام حصہ سوئم از نواب صاحب چھتاری ص: ۱۲۸)

قائد ملت کا وہ بیان (۶/جنوری ۱۹۴۳ء) جس کا ذکر نواب صاحب چھتاری کے حوالے میں مذکور ہے۔اس بیان کی وضاحت میں نواب صاحب کا ایک اور بصیرت افروز بیان ۲۰/مارچ

۱۹۴۴ء کے رہبر دکن میں شائع ہوا۔''

''شہزادہ والا شان ہر ہائی نس آف برار کی خطاب یابی کی تقریب پر میں نے ایک بیان جاری کیا تھا۔ میرے اس بیان کے الفاظ کو وجہ اعتراض بنایا گیا۔ اور اس کی روح نظر انداز کر دی گئی۔ میرے اس بیان کا مقصد یہ تھا کہ میں حکومت برطانیہ کو اس امر کی طرف متوجہ کروں کہ حیدرآباد کی وفادارانہ دوستی کے بدلہ میں وہ جن طریقوں سے حیدرآباد کو خوشش کرنا چاہتی ہے وہ کافی نہیں ہیں۔ حیدرآبادی حکومت برطانیہ کے ساتھ اپنی تاریخی دوستی کا صرف ایک معاوضہ سمجھتے ہیں کہ حکومت برطانیہ حیدرآباد کے معاہدات کا احترام کرے اور اس کی آزادی کو تسلیم کرے۔ میں نے اس حقیقت کو بار بار دہرایا ہے کہ ہندوستان پر انگریزوں کے تسلط کی تاریخ کا ہر باب حیدرآباد کی دوستی کا رہین منت ہے اور اس کے معاوضہ میں ہم حکومت برطانیہ سے اپنے ساتھ صرف اس برتاؤ کی توقع کرتے ہیں جس کا اس نے اپنے بدترین دشمنوں سے وعدہ کیا ہے۔ حکومت برطانیہ کوئٹ انڈیا کا نعرہ لگانے والوں، مساعی جنگ میں رکاوٹیں پیدا کرنے والوں، ریل کی پٹریاں اکھاڑنے والوں ڈاک کے ڈبے جلانے والوں اور حکومتی محکمہ جات پر بم پھینکنے والوں سے جنگ کے ختم ہوتے ہی مقبوضاتی مرتبہ کا وعدہ کر رہی ہے اور اس مقبوضاتی مرتبہ کو اس کا وزیر ہند سب سے بڑی آزادی کہہ رہا ہے۔ کیا اس حکومت برطانیہ سے ہم اپنی دوستی کے بدلے میں یہ توقع نہیں کر سکتے کہ وہ حیدرآباد کے معاہداتی حقوق کے تحفظ اور اس کی آزادی کامل کا غیر مبہم الفاظ میں ہم کو یقین دلائے۔ شہزادہ والا شان کی خطاب یابی پر میرے بیان کا اس کے سواء کوئی مفہوم نہ تھا۔ لیکن افسوس کہ آج کی دنیا حق وصداقت کو برداشت نہیں کر سکتی اور میرے بیان کو غلط مفہوم میں لیا گیا۔''

پہلے بیان میں نواب صاحب نے صرف اس قدر فرمایا تھا کہ ''پرنس کے واسطے یہ خطاب وجہ ناز نہیں، یہ تو محکومی کی دلیل ہے۔ لیکن دوسرے وضاحتی بیان میں سیاسی مسلک کو بروقت پیش کر کے طوق غلامی سے آزادی کی بات صاف صاف بیان فرمادی۔ اب ان بیانات کا اثر طبع نازک پر کتنا گراں گذرا، یہ مضمون بھی نواب صاحب چھتاری کی زبانی سننا ہے۔

''سرکار نے اس مضمون کی طرف وزراء کی کونسل کو نیم سرکاری خط کے ذریعہ سے متوجہ

کیا۔ ادھر گرگسن نے خود اس معاملہ کو اٹھایا اور یہ خیال ظاہر کیا کہ بہادر یار جنگ پر مقدمہ چلایا جائے۔ میں نے اس کی مخالفت کی کہ یہ غلط علاج ہوگا اور جو بہادر یار جنگ نے کہا وہ ان کی پارٹی کے ممبران بھی دہرائیں گے۔ اس طرح ستیہ گرہ شروع ہو جائے گی۔ علاوہ ازیں کس دفعہ کے تحت مقدمہ چلے گا۔ یہ کہنا کہ میری رائے میں یہ خطاب شہزادے کے واسطے کوئی عزت نہیں کسی جرم کی تعریف میں نہیں آتا۔ کونسل نے یہ طئے کیا کہ اعلیٰ حضرت ایک فرمان کونسل کو بھیجیں جس میں اس خطاب پر طمانیت کا اظہار فرمائیں' میں نے کابینہ کی اس رائے کو پسند کیا۔ اس لئے کہ اعلیٰ حضرت ایسے خطاب کے ملنے کے متعلق کئی بار فرما چکے تھے اور ان ہی کے حکم کی تعمیل میں اس خطاب کی تحریک میں نے کی تھی۔

۹ر جنوری ۴۳ء کو میں دفتر پیشی میں حاضر ہوا اور کونسل کی اس قرارداد کو سرکار میں پیش کیا۔ مجھے سخت حیرت ہوئی کہ اعلیٰ حضرت ایسا فرمان لکھنے سے گریز فرماتے ہیں اور مجھ سے فرمایا کہ تم ریزیڈنٹ سے مل لو اور یہ کہو کہ اس بیان کی طرف سرکار نے کونسل کی توجہ دلائی مگر کونسل کی یہ رائے ہے کہ اس وقت اعلی حضرت کا اس بیان کی تردید کرنے سے غلط فہمی پیدا ہوگی۔ میں نے عرض کیا کہ کونسل کا فیصلہ میں پیش کر چکا ہوں کونسل ایسی تردید کی موافقت میں ہے اور کونسل کی قرارداد کوئی راز نہیں جو ریزیڈنٹ کے علم میں نہ ہو۔ فرمایا اچھا تم ریزیڈنٹ سے کہنا کہ سرکار کی یہ رائے ہے' میں نے عرض کیا کہ تعمیل ہوگی۔

دوسرے روز میں ریزیڈنٹ سے ملا۔ وہ بہادر یار جنگ کی تقریر کا ترجمہ لئے ہوئے نہایت برہم بیٹھے تھے میں نے انہیں کونسل کا ریزولیوشن دکھایا وہ اسے ناکافی خیال کرتے تھے' میں نے اس تمام گفتگو کا نوٹ تیار کرالیا' جس کا منشاء یہ تھا کہ نہ صرف کونسل کی رائے کے مطابق سرکار سرفرمان جاری کریں بلکہ سرکار کو حکم دینا چاہئیے کہ بہادر یار جنگ معافی مانگیں میں نے دوسرے روز اپنی ملاقات کا نوٹ پیش کیا۔ سرکار نے حکم دیا کہ کونسل کی رائے کے مطابق جریدے میں فرمان شائع ہو' میں نے سرکار سے عرض کر دیا کہ وہ بہادر یار جنگ کو حکم دیں کہ اب کوئی مضمون نہ لکھیں۔ چنانچہ کاظم یار جنگ کے ذریعہ ایسا حکم چلایا گیا۔

پرنس کا خطاب .G.B.E میرے واسطے ایک دردسر بن گیا جس کا قضیہ عرصہ تک چلتا

رہا۔ ریزیڈنٹ نے اس معاملے کو دہلی بھیجا تا کہ وہاں کی ہدایات حاصل کرے۔

۲۲؍ جنوری ۴۳ء کو سر ہنری کریگ سیاسی مشیر حکومت ہند سے ملا' یہ بہادر یار جنگ کے مضمون پر بہت برہم تھے' گفتگو کے بعد یہ طئے پایا کہ اعلیٰ حضرت خود بہادر یار جنگ کو بلا کر فہمائش فرمائیں اور سزاء کے طور پر ۶ ماہ کے واسطے وہ نظام کے پاس حاضر نہ ہو سکیں۔ (جسے حیدر آبادی زبان میں دیوڑی بند ہونا کہتے ہیں) اور کسی جلسہ میں ۶ ماہ تک کوئی تقریر نہ کریں۔"

(حوالہ: ص ۱۲۸' ۱۲۹' ۱۳۰ یاد ایام)

۱۲؍ مارچ کو میں گرگسن علی یاور جنگ اور رینڈرسن (انسپکٹر جنرل پولیس) ریزیڈنٹ سے ملے۔ وہ چاہتا تھا کہ جتنی سختی ممکن ہو بہادر یار جنگ پر کی جائے۔ میں نے کہا آپ کیا چاہتے ہیں ریزیڈنٹ نے کہا کہ:

۱۔ بہادر یار جنگ کی دیوڑھی چھ ماہ کے واسطے بند کر دی جائے یعنی وہ نظام کے پاس حاضر نہ ہو سکیں۔

۲۔ چھ ماہ تک کوئی تقریر نہ کریں اور نہ کوئی مضمون لکھیں۔

۳۔ انہیں ان کی جاگیر میں محبوس کر دیا جائے۔

میں نے کہا کہ جاگیر میں محبوبس کرنے پر شورش کا اندیشہ ہے' وہ بولے کہ میں تو اپنی ہدایات کے مطابق کہوں گا' اب آپ کو اختیار ہے۔

شام کو سرکار نے طلب فرمایا میں نے ریزیڈنٹ کی گفتگو کا ذکر کیا۔" نظام اس پر تیار ہوئے کہ چھ ماہ کے لئے وہ حکم دیں گے کہ وہ تقریر نہ کریں۔ وہ خود بہادر یار جنگ کو نہیں بلائیں گے مگر کونسل اس کی سفارش نہ کرے۔" (۱۳۲ ایام)

(نوٹ: نواب صاحب چھتاری نے ۶ ماہ کی زبان بندی کا ذکر کیا ہے۔ غالباً یہ کتابت کی غلطی ہے' کیوں کہ زبان بندی ایک سال کے لئے کی گئی تھی)

نواب صاحب کی آہنی شخصیت اور عوام میں ان کی غیر معمولی مقبولیت سے نظام آف حیدر آباد پوری طرح واقف تھے' انگریزوں کے اثر سے بھی مجبور تھے۔

بالآخر ایک نرم فرمان کے ذریعے حکومت برطانیہ کے خرمن ناز پر جو بجلی گری تھی مداوے

الم کرنے، طئے پایا کہ نواب صاحب کی ایک سال کیلئے زبان بندی کردی جائے۔ چنانچہ اس خصوص میں ۲۲؍مارچ ۴۳ء فرمان زبان بندی سے قبل نواب صاحب چھتاری اور اراکین کونسل کے نام جو فرمان جاری ہوا وہ تحریر متذکرہ کی تائید کرتا ہے۔

۲۲؍مارچ ۴۳ء کی شام کو سرکار کا ایک فرمان منسٹر پیشی کے خط کے ساتھ آیا۔ یہ بہادر یار جنگ کے متعلق تھا، میں اسے انہیں الفاظ میں نقل کرتا ہوں۔ تا کہ اس زمانہ کی طرز تحریر اور عبارت کا اندازہ ہو سکے۔ یہ اعلیٰ حضرت کے الفاظ تھے۔ منسٹر کو دخل نہ تھا۔

’’بخدمت شریف عالی جناب نواب سر محمد احمد سعید خاں۔ صدر اعظم باب حکومت‘‘

’’ایک فرمان مبارک کی نقل بھیج کر آپ کو تحریر کرنے کو سرکار کا جو حکم ہوا ہے وہ حسب ذیل ہے۔‘‘

’’کونسل کی عرضداشت مورخہ ربیع الاول ۱۳۶۵ھ کو میں نے غور سے دیکھا اور آج بالمشافہ نواب صاحب چھتاری سے بھی گفتگو تفصیل سے کی۔ چوں کہ میری پوزیشن بحیثیت حکمراں ہونے کے اپنی حد تک بڑی ذمہ داری رکھتی ہے۔ لہذا جو کچھ میرا فرمان اس بارہ میں ہو (جو کہ طبع ہوگا) وہ میری پوزیشن اور (DIGNITY) کے مطابق ہو نہ کہ ایسا جس پر ممکن ہے کہ چوطرف سے نکتہ چینی شروع ہو جائے (اندرون و بیرون ملک) لہذا اس کو بچانا ضروری ہے۔ بس میں نے سب امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایک جامع مسودہ تیار کیا ہے۔ وہ سب امور پر حاوی ہے۔ جس کا تذکرہ عرضداشت میں ہے۔ بس اگر کونسل کو یہ منظور ہے کہ میں اپنے (PREROGATIVE) کو استعمال کرتے ہوئے فرمان جاری کروں تو میں بخوشی اس مسودہ کے مطابق فرمان جاری کرنے کو تیار ہوں۔ (یاد ایام ص: ۱۳۵، ۱۳۶)

نقل فرمان

ممالک محروسہ سرکار عالی میں جتنی سیاسی انجمنیں ہیں اس سے بحث نہیں کہ کسی قوم اور ملت کی ہیں۔ ان کو حکم دیا جاتا ہے کہ دوران جنگ میں کسی قسم کی شر انگیز تقاریر نہ کریں۔ نہ مضامین لوکل اخبارات میں شائع ہوں تا کہ کسی قسم کا نقصان امن یا ملک میں بے چینی پیدا نہ ہو۔ ورنہ اس کے خلاف عمل ہوگا تو گورنمنٹ خاطیوں کے ساتھ سخت تدارک کرنے پر آمادہ ہو جائے گی۔

ہاں۔ وہ بات اور ہے اگر کسی فریق کو اپنی جائز شکایات یا مطالبات کے متعلق لب کشائی کی نوبت آئے تو اس کو درست طریقہ پر اور آئینی طریقہ پر کرسکتا ہے۔ جب کہ یہ ہمہ قسم کی گرفت سے خالی ہو اور اس صورت میں اس پر گورنمنٹ غور کرسکتی ہے۔ نظر برآں دنیا کے اس مقولہ پر نظر رہے کہ صلح و آشتی سے بیگانے اپنے ہوجاتے ہیں اور جنگ و جدال سے دوست دشمن بن جاتے ہیں۔

بعض اوقات دیکھا گیا ہے کہ بہادر یار جنگ جب تقریر کرنے اسٹیج پر کھڑے ہوتے ہیں تو ان کی زبان قابو میں نہیں رہتی۔ یعنی حدود معینہ سے باہر ہوجاتی ہے جس کی وجہ سے پیچیدگیاں پیدا ہوجاتی ہیں۔ جو موجودہ سیاسی فضاء کو مکدر بناتی ہیں۔ لہذا ان کو بھی چاہئیے کہ حزم واحتیاط سے کام کریں۔ ورنہ کسی وقت ہلچل پیدا ہوجائے تو اس کی ذمہ داری مقرر پر ہوگی اور میرا بحثیت حکمراں ہونے کے یہ فرض ہوگا کہ جو کوئی اس حکم کی خلاف ورزی کرے اس کا سدباب کروں۔ نظر برآں میری دانست میں یہی مناسب ہے کہ ایک سال تک بہادر یار جنگ کسی قسم کی تقریر نہ کریں یا کسی قسم کا بیان اخبار میں شائع نہ کریں تاکہ اپنے ہاتھوں نہ خود کو مشکلات میں ڈالیں اور نہ دوسری طرف گورنمنٹ کو ان امور کی وجہ دردسری اٹھانی پڑے۔ جیسا کہ شیخ سعدیؒ نے کہا ہے ؎

مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

میرا یہ حکم پبلک کی اطلاع کی غرض سے جریدہ غیر معمولی میں شائع کیا جائے۔

(یاد ایام ص: ۱۳۶، ۱۳۷)

متذکرہ صدر فرمان جو ۱۵ ربیع الاول شریف ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۲ مارچ ۱۹۴۳ء اخبارات میں شائع ہوا۔ اس میں کونسل کو روانہ کردہ فرمان میں مزید ایک فقرہ کا اضافہ کیا گیا۔ اخبارات میں شائع شدہ فرمان حسب ذیل ہے۔

فرمان مبارک

ممالک محروسہ سرکار عالی میں جتنی سیاسی انجمنیں ہیں اس سے بحث نہیں کہ کس قوم وملت کی ہیں ان کو حکم دیا جاتا ہے کہ دوران جنگ میں کسی قسم کی شرانگیز تقاریر نہ کریں یا مضامین لوکل اخبارات میں شائع نہ ہوں تاکہ کسی قسم کا نقض امن یا ملک میں بے چینی پیدا نہ ہو ورنہ اس کے

خلاف عمل ہوگا تو گورنمنٹ خاطیوں کے ساتھ سخت تدارک کرنے پر آمادہ ہوجائے گی''۔

۲۔ ہاں وہ بات اور ہے کہ اگر کسی فریق کو اپنے جائز شکایات یا مطالبات سے متعلق لب کشائی کی نوبت آئے تو اس کو درست طریقہ پر یا آئینی طریقہ پر کرسکتا ہے جبکہ یہ ہمہ قسم کی گرفت سے خالی ہو اور اس صورت میں اس پر گورنمنٹ غور کرسکتی ہے۔

نظر برآں دنیا کے اس مقولہ پر نظر رہے کہ صلح و آشتی سے بیگانے اپنے ہوجاتے ہیں اور جنگ وجدال سے دوست دشمن بن جاتے ہیں۔

۳۔ بعض اوقات دیکھا گیا ہے کہ بہادر یار جنگ جب تقریر کرنے اسٹیج پر کھڑے ہوتے ہیں تو ان کی زبان قابو میں نہیں رہتی ہے، یعنی حد معینہ سے باہر ہوجاتی ہے یا گردوپیش کے حالات پر ان کی نظر نہیں رہتی ہے۔ جس کی وجہ سے پیچیدگیاں پیدا ہوجاتی ہیں جو موجودہ سیاسی فضاء کو اور مکدر بناتی ہیں لہذا ان کو بھی چاہیئے کہ حزم واحتیاط سے کام کریں ورنہ کسی وقت کسی قسم کی ہلچل پیدا ہوجائے تو اس کی ذمہ داری مقرر پر ہوگی اور میرا بہ حیثیت حکمراں ہونے کے فرض ہوگا کہ جو کوئی اس حکم کی خلاف ورزی کرے اس کا سد باب کروں۔

نظر برآں میری دانست میں یہی مناسب ہے بلکہ میری ہدایت ہے کہ ایک سال تک بہادر یار جنگ کسی قسم کی تقریر اندرون و بیرون ملک نہ کریں یا کسی قسم کا بیان اخبار میں شائع نہ کریں تاکہ اپنے ہاتھوں نہ خود کو مشکلات میں ڈالیں اور نہ دوسرے طرف گورنمنٹ کو ان امور کی وجہ دردسری اٹھانی پڑے۔

آخر میں اس قدر اور کہہ دینا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ مسئلہ زیر بحث کی کافی توضیح ہوجائے وہ یہ ہے کہ تمام بہی خواہان سلطنت کی وفاداری اس نوع کی ہونی چاہیئے کہ یہ سرکار کے باہمی دوستانہ تعلقات پر یا اہم بین الاقوامی مسائل پر مضر اثر نہ ڈالے ورنہ یہ خوبی اس میں موجود نہ ہوگی تو پھر اس کے معنی ومفہوم اس کے برعکس سمجھا جائے گا۔ اور اس وقت اس کو کسی طرح جائز نہیں رکھا جاسکتا کہ حکمراں ہو یا اس کی گورنمنٹ ہو وہ بھی اپنی اپنی حد تک فرائض منصبی رکھتے ہیں جن کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

لہذا اس نکتہ کو پیش نظر رکھ کر کام کرنا چاہیئے کہ یہی طریقہ کار تمام عقلاء یا مدبرین زمانہ

کا رہا ہے۔

میرا یہ حکم پبلک کی اطلاع کی غرض سے مع ترجمہ انگریزی جریدہ غیر معمولی شائع کر دیا جائے۔

''شرحد ستخط مبارک اعلیٰ حضرت بندگان عالی متعالی مدظلہم العالی''

۱۵ / ربیع الاول شریف ۱۳۶۲ھ

مطابق ۲۲ / مارچ ۱۹۴۳ء

زبان بندی کے دور کے ختم پر پندرھویں جلسہ سالانہ مجلس اتحاد المسلمین منعقدہ ورنگل میں ۲۴ / مئی ۱۹۴۴ء کو ولیعہد کے خطاب کے مسئلہ پر نواب صاحب نے اپنے خطبہ صدارت میں اس مسئلہ پر سخت الفاظ میں صاف صاف مجلس کی پالیسی کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

شہزادہ والا شان ولیعہد بہادر سلطنت آصفیہ کی خطاب یابی پر میں نے جو بیان دیا تھا اور جس پر نمائندہ تاج اس قدر چراغ پا ہوئے اس کا مفہوم اور اس کی اسپرٹ بھی یہی اور صرف یہی تھی۔ میں آج بھی بلا خوف لومۃ لائم اس بات کا اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ حیدرآباد کے باشندوں کو حکومت برطانیہ اور شریف برطانوی قوم سے یہ بجا شکایت ہے کہ وہ حیدرآباد کی دوستی اور اس کے احسان کا صحیح صلہ حیدرآباد کو نہیں دے رہے ہیں اور جو طریقے حیدرآباد کو خوش کرنے کے لئے استعمال کئے جا رہے ہیں حیدرآبادی نہ ان سے مطمئین ہو سکتے ہیں نہ خوش۔ اب حیدرآباد کا شعور عامہ اتنا بیدار ہو چکا ہے کہ حکومت برطانیہ ان کھلونوں سے حیدرآبادیوں کے دل نہیں لبھا سکتی۔ حیدرآباد ایفاء عہد کے شریفانہ جذبہ کے تحت صلہ کی تمنا یا ستائش کی خواہش کے بغیر حکومت برطانیہ کی امداد کر رہا ہے لیکن بجا طور پر اس سے اس مطالبہ کا حق رکھتا ہے کہ ایک شریف دوست کی حیثیت سے اس کی ان دوستیوں کا بدلہ دے۔ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ:

(۱) دوران جنگ میں حیدرآباد کے اندرونی معاملات میں مشورہ' ایما یا اشارہ کے طور پر مداخلت کے مذموم طریقہ کو یکلخت اور بلا تاخیر بند کرے۔

(۲) جلد سے جلد اعلان کرے کہ حیدرآباد از روئے معاہدات آزاد ہے اور بعد از اختتام

جنگ اس کو کامل اختیار ہوگا کہ ہندوستانی حکومت کے ساتھ جس قسم کے تعلقات چاہے بذریعہ معاہدات قائم کرے۔ نیز جو معاہدات اس وقت تک حیدرآباد نے حکومت برطانیہ کے ساتھ کئے ہیں جنگ کے ختم ہوتے ہی بعجلت ممکنہ ان کی نظر ثانی اور تجدید کی جائے گی اور حیدرآباد کو حق ہوگا کہ برطانیہ کے ساتھ اپنی دوستی اور تحالف کو زیادہ مضبوط سے باقی رکھتے ہوئے دنیا کی دوسری آزاد حکومتوں سے سفارتی تعلقات پیدا کرے۔

(۳) صاف اور غیر مبہم اعلان کرے کہ تاریخ کے مختلف ادوار میں حیدرآباد کے جو علاقے حکومت برطانیہ نے جاگیر۔ اخراجات۔ ترتیب فوج یا پٹہ کے طور پر حاصل کئے ہیں وہ ہندوستان کو مقبوضاتی مرتبہ ملتے ہی حیدرآباد کو واپس کردیئے جائیں گے تاکہ حیدرآباد اپنی اصلی حالت پر عود کرسکے اور ساحل سمندر تک وسیع ہوکر اپنے ملک کی خوشحالی کو بڑھا سکے۔

میں حکومت برطانیہ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس کے یہ اعلانات نہ صرف اس کی دوست شناسی اور شرافت کا مظاہرہ ہوں گے بلکہ حیدرآباد کی مساعی جنگ کو تیز تر کرنے کا باعث ہوں گے اور ان دس کروڑ مسلمانوں کے قلوب کو اس کی طرف متوجہ کرلیں گے جو ہندوستان میں حیدرآباد کو اپنی عظمت گزشتہ کا آخری نشان تصور کرتے ہیں۔ ان مطالبات میں جو نئے نہیں ہیں اور مجلس اتحادالمسلمین کے پلیٹ فارم سے بارہا دہرائے گئے ہیں میں نے عدم مداخلت کو سب سے پہلا درجہ دیا ہے۔ میں حیدرآباد میں برطانوی حکومت کی مداخلت کے مفروضہ نتائج سے خوب واقف ہوں لیکن میں حکومت برطانیہ کو یقین دلاتا ہوں کہ اب حیدرآباد ربع صدی قبل کا حیدرآباد نہیں ہے۔ اب حیدرآباد میں شعور عامہ بیدار ہوچکا ہے۔ حیدرآبادی عوام میں بھلے برے کی تمیز پیدا ہوچکی ہے اور حیدرآباد کے ارباب حل وعقد احتساب دام محسوس کرنے لگے ہیں اس لئے ہم خوب سمجھ کر اصرار کرتے ہیں کہ اب آپ اپنی مداخلت سے ہمارے قلوب کو زیادہ مجروح نہ کریں اور ہم کو اپنی قسمت کی خو تعمیر کرنے کا موقعہ دیں۔ میں نمائندہ تاج سے ان کے کامل احترام کے ساتھ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا کسی نوبت پر وہ اس کو برداشت کرسکتے ہیں کہ ان کی حلیف حکومت امریکہ ان کو اس بات پر مجبور کرے کہ وہ اپنی حکومت کے بعض سررشتوں کو امریکی عہدہ داروں کے لئے مخصوص کردیں۔ امریکی عہدہ داروں کی ساری قابلیت وصلاحیت کے باوجود کیا انگریز قوم کی

غیرت قومی اس کو قبول کرے گی کہ برضا ورغبت نہیں، بر بنائے ضرورت واحتیاج نہیں بلکہ کرہاً و مجبوراً وہ چند خاص سر رشتے امریکی عہدہ داروں کے تفویض کردے جو انگریزی حکومت سے تنخواہ پائیں۔ لیکن اپنا رشتہ عقیدت و وفا امریکہ سے وابستہ رکھیں۔ اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو پھر حیدرآباد کو ایسی ہی صورتحال پر کیوں مجبور کیا جارہا ہے۔ میں اس امر کو واضح کردینا چاہتا ہوں کہ میں صرف اصول سے گفتگو کر رہا ہوں۔ اشخاص سے مجھے کوئی مخالفت نہیں اور ان میں سے بعض میرے بہترین دوست ہیں۔ میں ممنون ہوگا اگر سر آرتھر لوتھیان میری طرف سے اپنی حکومت کو یہ پیام دیں کہ ''آنچہ بر خد نہ پسندی برائے دیگراں نہ پسند''

الحمد للہ اب حیدرآباد اپنے فرزندوں کی ترتیب میں اتنا کامیاب ہو چکا ہے کہ وہ اپنے ملک کی بڑی سے بڑی ذمہ داری کو برداشت کرنے کے قابل ہیں۔ میں سب سے زیادہ زمانہ کی اس کجروی سے نالاں ہوں کہ سچی بات کو عقل کی ترازو میں تولنے کی بجائے جذبات کے ہتوڑے سے توڑنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

۳۰۱ تا ۳۰۵

پندرھویں جلسہ سالانہ خطبہ صدارت

۲۴ رمئی ۱۹۴۴ء

''مہم اصلاحات کے بعد ''زبان بندی'' کا دور ''بہادر خاں کی زندگی کا دوسرا ہنگامہ پرور دور ثابت ہوا.................. ان کے پائے استقلال کو کبھی لغزش نہیں ہوئی، ہر مناسب وقت اور موقع سے انہوں نے فائدہ اٹھایا اور اس تحریک کو پوری قوت کے ساتھ آگے بڑھایا۔''

(حوالہ: ۹۵، ۹۶ ہمارا قائد، محترم مولوی محمد احمد خاں صاحب)

جوں ہی لسان الامت کی زبان بند ہونے کی اطلاع عام ہوئی۔ سارے شہر اور اضلاع میں مکمل ہڑتال کی گئی۔ لوگوں میں جوش واضطراب پھیل گیا اور نہ جانے یہ اضطراب کیا صورت اختیار کرتا۔ اگر مجلس اتحاد المسلمین کی عاملہ نے بروقت رہنمائی نہ کی ہوتی۔ مجلس عاملہ نے زبان بندی کے احکام پر اظہار تعجب کرتے ہوئے عامۃ المسلمین کو پرسکون رہنے کی ہدایت کی۔

(حوالہ: ص ۹۸ ہمارا قائد از: محترم مولوی محمد احمد خاں صاحب)

زبان بندی کے بعد جلسوں کی خاموش صدارت بھی فرمائی اور زبان بندی کے زمانے میں قائد اعظم کی خواہش پر نظام نے نواب صاحب کو حیدرآباد سے باہر سرحد کے انتخابات کے تعلق سے تقاریر کرنے کی اجازت دی تھی (ان ہی تقاریر کا نتیجہ تھا کہ مسلم لیگ کو بھاری اکثریت سے کامیابی نصیب ہوئی)۔

اپنی زبان بندی پر نواب صاحب نے اعلان فرمادیا کہ ''یہ خاموشی بھی اس وقت تک ہے جب تک کہ ملت کا مفاد اس سے متاثر نہ ہو رہا ہو۔''

نواب صاحب کی زبان بندی کے خلاف عوامی جذبات واحساسات کی ترجمانی دکن کے جوان فکر شاعر نظؔر حیدرآبادی کے '' قائد ملت کے نام'' منظوم احساسات سے ہوتا ہے۔ یہ صرف نظؔر حیدرآبادی کے جذبات نہ تھے بلکہ سارے دکن کے نوجوانوں میں ۔ تیری خاطر زندگی سے بھی گذر جائیں گے ہم کے آئینہ دار تھے۔

نواب صاحب نے اور مجلسی رفقاء نے اقتضائے وقت کی نزاکت کے پیش نظر عوامی احساسات پر پوری طرح قابو پالیا ورنہ قائد ملت کے چاہنے والے گو بجلیوں کو رقص فرمانے اور آشیاں پر مسکرا کر آگ برسانے کی دعوت دے رہے تھے۔

قائد ملت کے نام

کیا کہا ! تو اور پابندی ' خدارا رحم کر
دیکھ سینوں میں دھڑکتے دل مچلتے اشک تر

رحم فرما رحم اب تاب و تواں باقی نہیں
بیخودی طاری ہے فکر دو جہاں باقی نہیں

تیرے صدقے تو نے ہم کو جانے کیا کیا کردیا
خاک کے دروں کو ہمدوش ثریا کردیا

ساغر عیش و مسرت پی سکیں تیرے بغیر
کیا یہ ممکن ہے کہ ہم اور جی سکیں تیرے بغیر

تیرے خوابوں کو بروئے کار یوں لائیں گے ہم
تیری خاطر زندگی سے بھی گزر جائیں گے ہم

اب قدم راہ طلب میں ڈگمگا سکتا نہیں
کوئی طوفاں دل کی شمعوں کو بجھا سکتا نہیں

جا سنا دے بجلیوں کو رقص فرمایا کریں
آشیاں پر مسکرا کر آگ برسایا کریں

جا بڑھا دے اور بھی کچھ بادو باراں کا جلال
اب تو وجہ زندگی ہے جان دینے کا خیال

سن ذرا اے رازدار صبح و شام زندگی
دیکھ اپنی قوم کے چہروں کی اب تابندگی

قلب عالمگیرؒ کی دھڑکن نہاں رکھتے ہیں ہم
سطوت ٹیپو کی تیغ خوں فشاں رکھتے ہیں ہم

آج بھی دل میں مچلتا ہے وہ جوش انقلاب
جس نے پیری سے بدل ڈالا تھا قوموں کا شباب

دے ہمارے ہاتھ میں ذوق جنوں کا ساز دے
اے امیر کارواں آواز دے آواز دے

پورے ایک سال کی زبان بندی کے بعد۔
خاموشی ٹوٹ گئی، نطق کے عنوان جاگے

وزارت کا لالچ

۱۹۴۳ء

’’ملک دکن آزاد ہے‘‘ کا نعرہ جو جذبوں میں بدل گیا تھا۔ وہ عوامی احساس کی امانت تھا۔ وہ احساس جو قائد ملت کے دلوں میں پیدا کیا تھا‘ مگر نظام‘ انگریزوں کی غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے‘ ایک وزیر کا تقرر بھی ان کے اختیار میں نہ تھا۔

اس خصوص میں قائد ملت نے مجلس کی تاریخی یادداشت کی وضاحت کرتے ہوئے حکومت کو جن امور کی جانب متوجہ فرمایا اس میں ایک مسئلہ یہ بھی تھا ’’ہم اعلیٰ حضرت بندگان عالی سے بکمال ادب درخواست کرتے ہیں کہ وہ وزارت کی اس مشنری کو تبدیل فرمائیں جس کی نگاہیں کنگ کوٹھی مبارک سے زیادہ بلارم کی طرف لگتی رہتی ہے۔ جب میں وزارت کی تبدیلی کا بار بار مطالبہ کرتا ہوں تو یہ گمان ہوسکتا ہے اور میں نے سنا کہ پیدا ہورہا ہے کہ میں یا میرے رفقاء وزارت چاہتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ کوئی سیاسی جماعت حکومت کو صحیح راستہ پر نہیں چلاسکتی جب تک وہ حکومت میں دخل نہ پائے۔ لیکن حیدرآباد میں یہ سوال اس لئے پیدا ہی نہیں ہوسکتا کہ ہم وزراء کے تقرر و تعطل و علحدگی کا کامل اختیار اپنے بادشاہ عالی وقار کے دستِ مبارک میں دیکھنا چاہتے ہیں اور کسی کو اس کا مجاز نہیں سمجھتے کہ وزراء کے انتخاب میں اس کو مشورہ دے۔‘‘

(حوالہ: بہادر یار جنگ کی سیاسی تقاریر مرتبہ نذیر الدین احمد ناشر بہادر یار جنگ اکیڈیمی‘ حیدرآباد انڈیا‘ ص: ۲۶۰‘ ۲۶۱)

قائد ملت ۱۹۴۴ء تک ۳ مرتبہ وزارت کا پیشکش کیا گیا‘ خود نواب صاحب نے اپنے ایک خط میں اس کا ذکر فرمایا ہے کہ ’’جمادی الثانی کے نصف آخر میں مجھے ڈرایا بھی گیا اور تیسری مرتبہ وزارت کا لالچ بھی دیا گیا۔‘‘ (حوالہ: خط موسومہ بشیر احمد علی مورخہ ۱۴؍ جولائی ۴۳ء خط نمبر ۴۴۲‘ ص: ۴۵۱۔ مکاتیب بہادر یار جنگ۔ بہادر یار جنگ اکیڈیمی‘ کراچی)

اس خصوص میں اس وقت کے صدر اعظم کی یادداشت بھی قابل مطالعہ ہے۔ بہادر یار جنگ مجھ سے ملے' پھر کہنے لگے کہ اب تیسری بار مجھے پھر وزارت کا OFFER کیا گیا ہے۔ کیا آپ سے اور سرکار سے ایسا ذکر آیا تھا۔ میں نے کہا کہ آپ کا نام لے کر میں نے ذکر نہیں کیا لیکن یہ اکثر عرض کیا ہے کہ حیدرآباد کی گورنمنٹ اگر.................. RESPONSIBLE نہ ہوتی .... RESPONSIVE تو ہوا اور پبلک کے نمائندوں کو موقعہ ملنا چاہئیے کہ وہ حکومت میں حصہ لے سکیں۔ بہادر یار جنگ مرحوم نے مجھے نام نہیں بتایا کہ انہیں وزارت کی دعوت کس نے دی مگر جیسا کہ میں نے اس زمانہ میں سنا تھا' غلام محمد صاحب مرحوم نے ان سے ایسی بات چیت کی۔ اس لئے کہ نظام تو ایسا نہیں کر سکے تھے کہ بغیر میرے مشورے کے کسی کو وزارت کی دعوت دیں' چوں کہ حکومت ہند سے بھی دریافت کرنا ہوتا ہے۔ اس واسطے صدر اعظم کا اتفاق ضروری تھا............ (حوالہ: یادایام' ص: ۱۴۴' ۱۴۵ انواب صاحب چھتاری۔ ۷/ جولائی ۴۳)

۱۵/ جولائی کو صرف آٹھ دن کے بعد نواب صاحب چھتاری خودفریبی .... سے بیدار ہوئے۔ ''میں متحیر رہ گیا جب آج نیم سرکاری سے مجھے معلوم ہوا کہ نظام نے خود بہادر یار جنگ سے وزارت کے متعلق کہا۔ مگر انہوں نے انکار کر دیا''۔

(حوالہ: یادایام ۱۵/ جولائی ۴۳ء ص: ۱۴۷)

''غلام محمد صاحب وزیر فینانس نے اپنے طور پر بھی کوشش کی کہ نواب صاحب وزارت کی پیشکش کو قبول فرما لیں۔ ان کا اصرار اس بنیاد پر تھا کہ ساری کابینہ اور نظام کے لئے وزارت میں ان کی شمولیت' موجب پریشانی ہوجائے گی۔ اور انگریز آقاؤں کی نیندیں حرام ہوجائیں گی' لیکن نظام کی جال کا پس منظر ان کے مدنظر نہیں تھا۔ دراصل قائد ملت کو ان کے مشن سے ہٹانے کے لئے بہت سی ترغیبات دی گئیں۔ ان میں وزارت کی پیشکش بھی تھی۔ غلام محمد وزیر فینانس نے قائد ملت پر زور ڈالا کہ وہ اس پیشکش کو قبول کر لیں۔

قائد ملت نے فرمایا کہ اگر وہ کابینہ میں شامل بھی ہوجائیں تو کتنے دن تک اس کو نبھا سکیں گے۔

غلام محمد نے کہا کہ نواب صاحب آپ کا کابینہ میں داخل ہونا اتنا اہم نہیں جتنا وہاں سے

واپس جانا۔'' (حوالہ: مکتوب شگا گو از: محمد مولوی عبدالرحمٰن سعید (سعید صدیقی)

خطاب و جاگیر واپس کر کے وہ اپنا ذہنی بوجھ اتار چکے تھے مگر نظام آف حیدرآباد کی مجرمانہ طرز فکر کے باعث' یہ فکر دامن گیر ہوگئی کہ جاگیر و خطاب کی زنجیروں سے رہا ہو کر یہ میرے لئے اور بھی خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں۔ اس لئے وزارت کی بیڑی' انہیں پابہ زنجیر رکھے گی۔

لیکن اس مرد حر نے صاف صاف کہہ دیا:

''میں کرسی وزارت پر بیٹھ کر مہمات سلطنت پر غور کرنے کے لئے نہیں بلکہ گرد کوچہ و بازار بن کر قلوب کی دنیا میں طوفان برپا کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہوں۔ میرا مقام صرف دامن کوہ اور وسعت صحرا ہے میں وہ مزدور ہوں جو راستہ تیار کرتا ہے کہ ملت کی گاڑی آسانی سے منزل مقصود تک پہنچ جائے اور میرے لئے یہی فخر کافی ہے کہ میں وابستہ دامن محمدیہ سے ہوں۔''

(حوالہ: بہادر یار جنگ کی سیاسی تقریریں' مرتبہ: نذیر الدین احمد ناشر بہادر یار جنگ اکیڈیمی حیدرآباد)

◆◆◆

بہادر یار جنگ کی زندگی

موت کے دروازے پر

''۲۵ جون ۴۴ء کو اتوار کا دن تھا۔ اسی دن حسب معمول عصر اور مغرب کے درمیان ان کی کوٹھی پر درس اقبال کی محفل آراستہ ہوئی، معلمین اور متعلمین جمع تھے اور وہ خود عروس محفل بنے ہوئے تھے۔ مثنوی ''پس چہ باید کرد اے اقوام مشرق'' زیر مطالعہ تھی۔ حکمت کلیمی نظم کا درس شروع ہوا۔ پروفیسر رشید نے ترجمہ کیا، معانی و مطالب بیان کئے، دیگر اساتذہ نے بھی تشریح و توضیح کی، خود بہادر یار جنگ نے اپنے درہائے بے بہا لٹائے، ایک شعر کے بعد دوسرا شعر پڑھا جاتا رہا، یہاں تک کہ پروفیسر رشید نے یہ شعر پڑھا:

مرد حق افسوں ایں دیر کہن
از دو حرف ربی الاعلیٰ شکن

پھر اس کے معنی و مطالب کو بیان کیا اور آگے پڑھنا چاہتے تھے کہ بہادر یار جنگ نے انہیں روک دیا۔ کہنے لگے ''رشید صاحب۔ بس یہاں ٹھہر جایئے یہ مقام یوں ہی گزر جانے کا نہیں ہے'' اور محفل برخواست ہوگئی۔ انہوں نے نماز مغرب بہ جماعت ادا کی اور معاً بعد اپنے ایک دوست ہاشم علی خاں رکن ہائیکورٹ کے گھر دعوت میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے۔

''رات میں پونے نو بجے باہر سے انہوں نے پان منگوائے۔ مجھے یہ نہ معلوم تھا کہ میں ان کے لئے آخری پان تیار کر رہی ہوں، مجھے ہمیشہ اس پر ناز تھا وہ میرے سوا کسی کے لگائے ہوئے پان نہیں کھاتے۔''

انہوں نے پانچ بجے ہی یہ کہلا بھیجا تھا کہ آج دعوت میں جا رہے ہیں اور میرے ساتھ کھانا نہ کھائیں گے، پھر بھی میں انتظار میں تھی کہ جاتے ہوئے اندر آئیں گے لیکن تھوڑی دیر بعد

موٹر کی آواز آئی اور میں نے اوپر سے دیکھا کہ میرے سرتاج جا چکے تھے۔"

(حوالہ: سہاگ لٹنے کی کہانی بیگم بہادر یار جنگ کی زبانی۔ مشمولہ بہادر یار جنگ مشاہیر وطن کی نظر میں، ص:۱۲۔ مرتبہ نذیر الدین احمد، ناشر بہادر یار جنگ اکیڈیمی۔ حیدر آباد)

نواب صاحب اپنے میزبان کے بنگلے پر پہنچے، ڈاکٹر رضی الدین صدیقی بھی موجود تھے، ان ہی کے برابر والی کرسی پر تشریف فرما ہوئے۔

اب پھر موضوع سخن اقبال ہی تھے، اسی دوران حقہ پیش کیا گیا صرف ایک کش لیا۔ ایک ہی جھٹکے میں نوائے سوختہ درگلو اپنے رب اعلیٰ سے جا ملے۔

"ڈاکٹر رضی الدین صدیقی اور سکندر علی وجد سے اقبال کے اس شعر

ہر اک مقام سے آگے مقام ہے تیرا
حیات ذوق سفر کے سوا کچھ اور ہیں

کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار کر رہے تھے کہ حقہ کے پہلے ہی کش کے ساتھ روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

مگر شاہین بلند پرواز کا ذوق سفر اسے ہر ایک مقام سے آگے لیکر چلا گیا۔

(حوالہ: اقبال اور حیدر آباد، ص: ۲۲۷۔ از: نظر حیدر آبادی۔ کراچی)

یہ ان دنوں کا ذکر ہے جب کہ میں خواجہ اسد اللہ خاں کے ساتھ ان کی کوٹھی واقع بنجارہ ہل میں رہا کرتا تھا۔ ایک شام کھانے کے بعد خواجہ اسد اللہ خاں، ان کے چھوٹے بھائی خواجہ حشمت اللہ خاں اور میں مکان کے وارنڈے میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ سامنے ہی حیدر آباد ہائی کورٹ کے جج ہاشم علی خاں کی کوٹھی تھی۔ کوٹھی کے آس پاس اور صحن میں موٹریں کھڑی تھیں، کوٹھی میں رونق اور چہل پہل تھی۔ کسی دعوت کا اہتمام تھا۔ تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ ہم نے دیکھا کہ چہل پہل اور رونق انتشار میں بدل گئی۔ موٹریں تیزی کے ساتھ آنے جانے لگیں۔ لوگ بھی پریشانی کے عالم میں ادھر ادھر بھاگتے نظر آئے، یہ حالت دیکھ کر ہمیں تشویش ہوئی اور ہم صورتحال معلوم کرنے کے لئے جا پہونچے، انتشار کا یہ عالم تھا کہ کسی کو جواب دینے کا ہوش نہ تھا۔ ہر طرف بدحواسی تھی۔ ایک مہمان نے بمشکل نواب بہادر یار جنگ کا نام لیا اور اس کے آگے اس کی زبان

سے کچھ نہ نکل سکا۔ اتنے میں ایک ڈاکٹر آیا۔ ہم بھی کوٹھی کے اندر پہنچ گئے، ڈاکٹر نے نواب صاحب کا معائینہ کیا اور کرتا ہی رہا، لوگ ڈاکٹر سے یہ سننے کے لئے بے تاب تھے کہ "کوئی خطرہ نہیں" پھر ایک اور ڈاکٹر آیا وہ بھی معائنے میں مصروف ہو گیا۔ دونوں ڈاکٹروں نے ایک دوسرے کو دیکھا، کچھ اشارے ہوئے، پھر دونوں کی گردنیں جھک گئیں، چہروں پر انتہائی ملال کے آثار نمایاں ہو گئے۔

چھ فٹ کا قد آور، موٹا تازہ صحت مند ملت کا سپاہی، نجی محفلوں کا چہکتا ہوا بلبل ہزار داستاں، سیاسی پلیٹ فارم کا گرجتا ہوا شیر اور میلاد کی محفلوں کا مرد مومن یک لخت داغ مفارقت دے چکا تھا۔

کھانے سے پہلے دوستوں سے گفتگو کر رہے تھے، سامنے حقہ آیا۔ انہوں نے کش لیا کہ نے ہاتھ سے چھوٹ گئی، حلق بند ھ ہوا، منکا ڈھلا گر پڑے اور روح پرواز کر گئی۔ ان کی بیگم اطلاع پا کر فوراً بحالت زار پہونچیں اور سب سے پہلا فقرہ جوان کی زبان سے نکلا یہ تھا کہ "وہ حقہ مجھے بھی پلا دو۔"

(حوالہ: بلبل ہزار داستاں، از: سید بادشاہ حسین، ص: ۹۵، ۹۶۔ مشمولہ بہادر یار جنگ مشاہیر کی نظر میں)

میرے لئے کھانا چنا گیا لیکن نہیں معلوم کیا بات تھی مجھ سے کھایا نہ جا رہا تھا۔ عجیب بے چینی محسوس ہو رہی تھی، نوکروں نے مجھے بے حد مجبور کیا لیکن میری حالت غیر ہوتی جا رہی تھی، میں نے جوں توں ختم کیا اور پان کھانے کے لئے تخت پر آ کر بیٹھی۔ ابھی میں نے پاندان کو ہاتھ لگایا تھا کہ مجھے ایسا محسوس ہوا میرے حلق میں پھندا پڑ گیا ہے کہ اتنے میں اطلاع آئی کہ دعوت میں میرے سرتاج بے ہوش ہو گئے۔

نہ جانے کیوں میری زبان سے نکلا "جب گولی لگی تب بے ہوش نہیں ہوئے میرے ہاں سیدھے چلے آئے اور آج کیا ہوا۔"

میرا دل مسوس رہا تھا، کلیجہ منہ کو آ رہا تھا۔ یہ اطلاع ملتے ہی میری دو بھاوجیں آ گئیں اور میں نے ان سے کہا کہ ہاشم علی خاں صاحب کے مکان جا رہی ہوں۔ مجھے چین نہیں آ رہا ہے۔ میری بے چینی بڑھتی جا رہی تھی، ان دونوں نے مجھ سے کہا کہ وہ میرے ساتھ چلیں گی، میں نے

سمجھا کہ ڈرائیور نہ ہوگا اور مجھے جانے میں بڑے دقت ہوگی۔ لیکن معلوم ہوا کہ ڈرائیور سے سرکار نے کہا تھا کہ ''ممکن ہے مجھے واپسی میں دیر ہو جائے، تمہیں دیر ہوگی میں خود موٹر چلا لوں گا۔''

میری دونوں بھاوجیں اور میں ہاشم علی خاں صاحب کے گھر پہونچے، میں دوڑی ہوئی اپنے سرتاج کے پاس پہونچی۔ جن جوتیوں کے نہ پہنانے سے مجھے آج یہ دن دیکھنا نصیب ہوا، انہیں میں نے اپنے سینے سے لگالیا۔ میں نے سرتاج کے سینے اور پیشانی کو محسوس کیا۔ ان میں اب بھی گرمی تھی، روح قفس عنصری سے کچھ عرصہ قبل پرواز کر چکی تھی۔ میرا سرتاج میرا سہاگ اپنے ساتھ لیتا چلا گیا۔ خدا انہیں جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین۔

(حوالہ: سہاگ لٹنے کی کہانی بیگم بہادر یار جنگ کی زبانی، ص:۱۳)

ایک رات نواب صاحب چھتاری (جو اس وقت حیدر آباد کے وزیر اعظم تھے) کے گھر دعوت میں مدعو تھا کہ وہاں نواب صاحب کے اچانک انتقال کی خبر ملی۔ ہم میں سے کسی کو اس خبر پر یقین نہ آیا۔ اس خبر کی تصدیق کروائی گئی اور جب تصدیق ہوگئی تو سب دعوت چھوڑ کر نکل پڑے، میں اور ملک غلام محمد (وزیر خزانہ حیدر آباد) وہاں سے جائے وقوع پر پہونچے، وہاں کافی لوگ جمع ہوگئے تھے، بعض لوگ دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے، میزبان پر سکتہ طاری تھا اور ان کی حالت بڑی ہی قابل رحم تھی۔ بعض زبانوں پر سازش کے امکانات کا ذکر تھا، میں اور غلام محمد کوئی ایک گھنٹے تک وہاں کھڑے رہے۔ مگر ہماری زبانوں سے ایک لفظ نہیں نکل سکا، اس اچانک حادثے نے گویائی سلب کر لی تھی۔

(حوالہ: مخلص انسان، از: میر لایق علی، ص:۲۶۳۔ مشمولہ بہادر یار جنگ مشاہیر کی نظر میں۔ کراچی)

مگر وہ جس تیزی سے افق سیاست پر طلوع ہوا اسی تیزی کے ساتھ غروب ہوگیا، اس نے اس دنیا کی صرف بہاریں دیکھی تھیں اس کو ابھی اور جینا تھا۔

وہ آسمان سیاست پر جس حیرت انگیز طریقے سے بلند ہوا بالکل اسی پر اسرار انداز میں دنیا سے چلا گیا۔ حیدر آباد کے ایک نواب کے حقہ (تمباکو میں زہر ملا دیا گیا تھا) کے ایک ہی کش کے ذریعہ اس کی ساری صحت مند زندگی قید جسم سے آزاد ہوگئی۔

سارا حیدر آباد غم و غصہ سے گھروں سے باہر نکل آیا، ہر سڑک پر میلوں تک انسان ہی

انسان کھڑے یہ پوچھ رہے تھے کہ:

''کیا بہادر یار جنگ جیسا قوی ہیکل انسان حقہ کے ایک کش سے مر سکتا ہے؟ جواب نظام کے قصر ''کنگ کوٹھی'' کی اونچی دیواروں میں چھپا ہوا تھا۔'' (حوالہ: بہادر یار جنگ، از: ابراہیم جلیس: ص: ۱۵، ۱۶۔ مشمولہ بہادر یار جنگ اہل دانش کی نظر میں۔ مرتبہ: نذیر الدین احمد، ناشر بہادر یار جنگ اکیڈمی۔ حیدرآباد دکن)

ڈاکٹروں نے جب روح کے قفسِ عنصری سے پرواز کر جانے کی اطلاع دی تو سفید چادر سے قائد کی نعش کو ڈھانک دیا گیا اس وقت تک بیگم قائد ملت آ چکی تھیں، یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح سارے شہر میں پھیل گئی کہ:

ہو گیا تاریکیوں میں گم دکن کا آفتاب

بنجارہ ہل سے کوئی پون بجے نعش بیت الامت لائی گئی، سامنے کی لاری میں ضخیم ملت گہری وابدی نیند سو رہا تھا، بیگم قائد ملت اور خاندان کے لوگ ماتم کناں تھے، پیچھے موٹروں کا ایک مختصر قافلہ بیت الامت کی طرف رواں دواں تھا۔

لاش بیت الامت آنے سے قبل ہی بیگم بازار اور اس سے ملحقہ سارے راستوں پر سوگواروں کی آہ و بکا کی دلخراش صدائیں، اپنے قائد کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کر رہی تھیں۔

نواب نصیب یاور جنگ کی دیوڑھی کی پھاٹک ہی نہیں بلکہ دکن کے ہر گھر کا در صبح تک کھلا رہا، صبح تک ہر سمت سے آنے والا راستہ بیگم بازار پر ختم ہو رہا تھا۔

مردانی دیوڑھی کی بیٹھک میں پلنگ پر وہ سو رہا تھا جس نے دو سو سال سے سوئے ہوئے انسانوں کو جگایا تھا۔ جسم پر چادر تھی، چہرہ کھلا تھا، فضاء سوگوار تھی۔ میر کارواں کا آخری دیدار کرنے کے لئے کون تھا جو وہاں نہ تھا۔ امیر، غریب، ہندو مسلمان، سکھ پارسی، امراء عظام، علماء اکرام، طالب علم، پروفیسر، بادشاہ وقت ان کے وزراء سب ہی حاضر تھے۔ آج سارا دکن آفتاب دکن کے آخری دیدار اور جلوس جنازہ میں شرکت کے لئے بیت الامت میں جمع تھا، کسی کو اپنا ہوش نہ تھا، رونے کی آوازیں عرش تک جا رہی تھیں، آنسوؤں اور آہوں کے سوا ماتم گساروں کے پاس کچھ نہ تھا، آج وہ زبان خاموش تھی! ''مدحت رسولؐ میں گل افشانی کرنے والی زبان، مسلمانوں کے درد پر بے تابانہ شکوہ کرنے والی زبان، سیاست و تمدن کے عقدہ ہائے مشکل کو حل کرنے والی زبان،

ادب وشعور کی روشنیاں بکھیرنے والی زبان، تاریخ اسلام کی داستاں سرا زبان اور دل کی گہرائیوں سے بولنے والی زبان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چپ ہوگئی۔ پھر گویا نہ ہوئی۔"

(حوالہ: مکاتیب سے پہلے۔ از: صمدانی نقوی، ص: ۵۷۔ مشمولہ مکاتیب بہادر یار جنگ، کراچی)

جلوس جنازہ

ساڑھے چار بجے بیت الامت سے جب پلنگ پر قائد ملت کا جنازہ نکلا تو ایک کہرام مچ گیا، دیوڑھی سے جنازہ معظم جاہی مارکٹ سے دارالسلام پہنچا، راستے میں مکانوں اور بنگلوں کی چھتوں سے عورتیں اپنے محبوب قائد کا آخری دیدار کرنے کے لئے جمع تھیں۔

آج قائد ملت زندہ باد کے نعرے بلند نہیں ہو رہے تھے، ساری فضاء حمد باری تعالیٰ میں، سبحان اللہ و الحمد للہ و لا الہ الا اللہ ، اللہ اکبر کی صداؤں سے فضاؤں میں ارتعاش پیدا ہو رہا تھا، ہر شخص کاندھا دینے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔ دارالسلام میں نماز جنازہ ادا کی گئی اور یہاں بھی آخری دیدار کروایا گیا، نماز جنازہ مولانا عبدالقدیر بدایونی نے پڑھائی، تقریباً چھ بجے دارالسلام سے جلوس جنازہ معظم جاہی مارکٹ سے سلطان بازار سے ہوتا ہوا مشیر آباد تک کا سفر ڈھائی گھنٹے میں طئے کیا۔

میت ۹ بجکر ۱۵ منٹ پر قبر پر لائی گئی۔ جلوس جنازہ میں دو لاکھ آدمیوں کا اژدھام تھا۔ میت کو کاندھا دینے کی کوشش میں میت کا پلنگ متعدد بار ٹوٹا۔ ہر بوڑھے آدمی نے یہی کہا کہ اس نے اپنی زندگی میں کسی جنازے میں نہ اتنے آدمی دیکھے اور نہ ہی اپنے بڑوں سے سنا۔

تدفین

رات ساڑھے دس بجے حضرت شاہ قاسم مجتہد گروہ مہدویہ رحمتہ اللہ علیہ کے مزار مقدس کے جانب غرب مدفون ہوئے، ان کی مرقد[1] میں اترنے والوں میں جنہوں نے اس مرد مجاہد کو

---

[1] مرقد کے معنی قبر کے نہیں ہیں جیسا کہ اردو شعراء اس کو استعمال کرتے ہیں بلکہ بستر خواب کے ہیں، کیوں کہ رقاد کے حقیقی معنی نیند کے ہیں، قرآن کریم میں اصحاب کہف کے قصہ میں یہ لفظ آیا ہے۔

وتحسبھم ایقا ظاوھم رقود۔ اور تو ان کو بیدار خیال کرے گا

۱۸/۱۸ حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں۔

اس کے آخری اور دائمی بستر استراحت پر لیٹنے میں اس کی خدمت کی مولوی کرم علی خاں صاحب مرحوم (ایل۔ایل۔بی) اور نواب صاحب کے عزیز جناب سرور خاں صاحب (سابق میونسپل کونسلر مرحوم) کے نام شامل ہیں۔انا لله و انا الیه راجعون۔

قائد ملت کا مادی جسم حظیرہ مشیرآباد کے مرمریں روضہ میں مستور ہے۔

''میں اپنے دل حزیں کو کچھ سکون پہنچانے کے لئے شہر خموشاں کی طرف جہاں وہ ابدی نیند سو رہے ہیں چل کھڑا ہوا۔ سامنے کیا دیکھتا ہوں کہ ایک صاف ستھرا سادگی میں یکتا گنبد آرائشی پچی کاری سے بے نیاز۔ پرجلال وشوکت ہیبت میں سامنے موجود ہے،قریب پہنچکر میں نے محسوس کیا کہ ہر چارسو روحانیت ہی روحانیت بکھری ہوئی ہے آنکھوں کے پردوں پر مجاہد اعظم سلطان شہید حضرت ٹیپو سلطان کے مزار کا منظر ابھر آیا۔ جنوبی ہند کے دورہ کے موقع پر سرنگاپٹم فاتحہ خوانی کے لئے گیا تھا وہاں بھی یہی روحانی کیفیت طاری وساری تھی، کیونکہ سلطان شہید نے بھی اپنی جان عزیز اسلام کی سربلندی اور حق کا بول بالا کرنے کے لئے دی تھی۔ محمد بہادر خاں شیر دل مجاہد جن کے ادنیٰ اشارے پر ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں مسلمان سربکف ہوجاتے،منوں مٹی تلے آرام فرمارہے تھے۔

مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا

(مولانا عبدالماجد دریابادی)

ما مات من في الورى أحيت مبادئه
ميت النفوس وإن تعقبه أجيال

(محمد عبدالمنعم ضیف اللہ مصری)

ترجمہ :وہ شخص کبھی نہیں مرتا جس کے اصول مردہ دلوں کو زندگی اور توانائی بخش دیتے ہیں اور جو آنے والی نسلوں کے لئے بھی پیغام حیات ہو۔

◆◆◆

اوٹ ہو' یا زمانہ یا کوئی اور شئے ۔ L برزخ لایبغیان

وحجرامحجورا میں برزخ سے مراد وہ روک ہے جو دو سمندروں کو ملنے سے باز رکھتی ہے ایک دوسری حدیث میں وساوس کو براز خ الایمان کہا گیا ہے یعنی شک اور یقین کے درمیانی حالت مفسرین ائمہ لغت نے برزخ کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ البرزخ الحاجزو المعلة متقاريات المعنى :– (ابن جرير) البرزخ مابين كل شيئن من حاجز (نهاية ابن اثير) البرزخ الحاجز الحدبين الشيئن (راغب)

اصطلاحی معنی :–

اس لفظ کو قرآن مجید نے اصطلاحاً اس مدت یا اس حالت کے لئے استعمال کیا ہے جو انسان کی موت سے لے کر قیامت کے دن تک ہے جس آیت میں یہ لفظ وارد ہے وہ خود اس کے اصطلاحی معنی کو واضح کرتی ہے۔

حتی اذا جاء احدهم الموت قال رب ارجعونی لعلی اعمل صالحا فیما ترکت کلا انها کلمة هوقائلها ومن وراء هم برزخ الی یوم یبعثون۔ (۳۳/٦)

یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آتی ہے وہ کہتا ہے کہ پروردگار مجھے واپس کردیجئے۔ امید کہ میں اس زندگی میں جس کو چھوڑ آیا ہوں نیک عمل کروں گا ہرگز نہیں یہ تو ایک بات ہے جو وہ کہتا ہے اور ان کے آگے ایک برزخ ہے اس دن تک جبکہ وہ اٹھائے جائیں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ موت کے وقت سے روز قیامت تک جو کچھ ہے اس کا نام برزخ ہے۔

(حوالہ برزخ' از: مولانا ابواعلی مودودی' ص: ۳۰' ۳۱)

برزخ کا لفظ قرآن میں روک یا آڑ کے معنی میں مستعمل ہے۔

وجعل بینهما برزخاو حجرا معجورا۔ (۵۳/۲۵)

اور اللہ نے ان دونوں شور وشیریں سمندر میں آڑ رکھ دی اور رکاوٹ کی اوٹ۔

دوسری جگہ بجائے برزخ کے حاجز کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

وجعل بین البحرین حاجزاً۔ (۲۷/٦۱)

اور اللہ نے دونوں سمندروں میں آڑ رکھ دی ہے۔

تا کہ وہ دونوں اپنے اپنے حدود سے آگے نہ بڑھیں'

بینهما برزخ لایبغیان۔ (۵۵/۲۰)

دونوں (سمندروں) کے درمیان' آڑ ہے جس سے وہ آگے نہیں بڑھتے۔

یعنی معنی برزخ کے اس آیت میں ہیں

ومن وراء هم برزخ الی یوم یبعثون۔ (۲۳/۱۰۰)

اور ان (مرنے والوں) کے آگے آڑ ہے اس دن تک کہ جس دن وہ اٹھائے جائیں گے۔

یعنی برزخ کی مدت مرنے والوں کی موت سے لے کر حشر تک ہے کہ اس میں وہ اپنے

رب کی حضوری سے آڑ میں رکھے جائیں گے۔ اور، جب حشر ہوگا اللہ کے سامنے حاضر کردیئے جائیں گے۔

ان کانت الا صیحة واحدة فاذا ھم جمیع لدینا محضرون ٥۔ (۳۶/۵۳)

بس ایک شور ہوگا اور ہمارے پاس وہ سب کے سب حاضر کردیئے...... جائیں گے۔

(حوالہ: عالم برزخ، از: مولانا اسلم جیراج پوریؔ۔ ص: ۶، ۷)

دنیا کا برزخ سے بہت قریب کا رشتہ ہے کہ ہر ایک کا ایک نصف حصہ دنیا میں ہے اور ایک نصف حصہ برزخ میں۔

اہل برزخ اور اہل دنیا کے درمیان باہم واقفیت احوال کے پانچ طریقے:-

حق تعالیٰ کی بالغ حکمت نے جب، ان دونوں جہانوں میں اس تقسیم اجزاء کی وجہ سے یہ خواہش فطرتوں میں ڈال دی ہے تو اسی کی فیاض... قدرت کا یہ بھی تقاضاء تھا کہ وہ اس خواہش کی تسکین کا سامان بھی.. پیدا فرمائے، اور ایسے وسائل و ذرائع پیدا فرمادے کہ برزخ والے دنیوی مقامات واحوال سے اور دنیا والے برزخی مقامات واحوال سے خود بلاواسطہ بھی باخبر ہوتے رہیں اور ان مقامات کی معرفت حاصل کرتے رہیں۔

یہ وسائل وطریق کیا ہیں؟ کتاب وسنت کی روشنی میں پانچ، طریقے سامنے آئے جن سے براہ راست برزخی مقامات واحوال کا فی الجملہ علم ہوسکتا ہے۔

پانچوں طریقوں کا اجمالی تعارف :-

ایک عینی شاہدہ، دوسرا مخبر صادق کی خبر، تیسرے صاحب واقعہ کی اطلاع دہی، چوتھے انکشاف قلبی، پانچویں قیاس واستنباط۔

پانچوں طریقوں کے فنی اور اصطلاحی عنوانات :-

انہی پانچ مقامات کو اگر قدرے ترتیب بدل کر اور اصطلاحی لفظوں میں لاتے ہوئے حجتوں کے انداز سے بطور فنی ترتیب کے ادا کیا جائے تو ذیل کے عنوانات سے ادا کرسکیں گے۔ پہلا استدلال شرعی، دوسرا کشف باطنی، تیسرا رویائے صادقہ، چوتھا عبرت واعتبار، پانچواں ایان و مشاہدہ۔

پہلا مقام علماء کا ہے دوسرا عرفاء کا ہے' تیسرا اصلاح کا ہے' چوتھا عقلا کا ہے اور پانچواں ہر کس و ناکس کا ہے۔

پھر ان مقامات کی نوعیت یہ ہے کہ پہلا مقام اختیاری اور' یقینی ہے' دوسرا اکتسابی ظنی ہے' تیسرا غیر اختیار ظنی ہے۔ چوتھا اختیاری ظنی ہے اور پانچواں کلیۃ غیر اختیاری مگر یقینی ہے جو' محض موہبت من اللہ ہے۔ ان پانچوں طریقوں سے لوگوں نے برزخی مقامات تک علمی اور عرفانی رسائی حاصل کی ہے۔

طریق اول۔ استدلال شرعی کی روحانی تفصیل و تقسیم :-

(۱) اولین مرتبہ استدلال شرعی کا ہے کہ اللہ و رسولؐ برزخ کے بارے میں خود خبر دیں اور امت اس سے استدلال کرکے اس پر ایمان لائے۔

استدلال کا شخصیاتی درجہ :-

(الف) استدلال شرعی کے درجہ میں ایک درجہ شخصیاتی ہے کہ کسی شخص معین کا نام لے کر اللہ و رسولؐ اسے جنت مقام یا برزخ میں عالی مقام ظاہر فرمائیں تو ظاہر ہے کہ یہ معرفت یقینی اور واجب الاعتقاد ہوگی۔ (عالم برزخ از علامہ طیب قاسمی دیوبندی' ص:۱۲'۱۳)

زیر نظریات میں متعلقہ موضوع خواب کے عالم برزخ کی نسبت کا .. اظہار ہے اور یہ استدلال کے شرعی باب میں آتا ہے اس لئے یہاں اختصار کے مدنظر استدلال شرعی کے مزید عنت کو صرف نظر کیا جارہا ہے۔

اس لئے اگر شخصی خوابوں کو حجۃ کلیہ نہیں کہا جائے گا جو سب کے لئے قانون بن جائے تو حجۃ کاشفہ یا حجۃ موضحہ یا حجۃ مؤیدہ ضرور کہا جاسکے گا اسی لئے سلف سے لے کر خلف تک اہل علم خوابوں سے ... اس قسم کی تائیدات اور تفاولات کا اثبات کرتے آئے ہیں' آخر سچے خواب کو چھیالیسواں حصہ نبوت کا فرمایا گیا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ اس کا تعلق فرضیات سے نہیں واقعات سے ہے' نبوت کی ابتداء ہی سے سچے خوابوں سے ہوتی ہے کہ آپ جو کچھ خواب میں دیکھتے وہی چیز واقعہ بن کر سامنے آجاتی۔ اسی طرح نبوت کے بعد نبوت کے اس چھیالیسویں حصہ کے ... باقی رہنے کی بھی خبر دی گئی ہے:-

لم یبق من النبوة الا المبشرات او الرؤیا الصالحة ؟ — نبوت میں سے کچھ بھی باقی نہیں بجز مبشرات اور سچے خوابوں کے (الحدیث)

(حوالہ عالم برزخ' از: علامہ محمد طیب قاسمی دیوبندی' ص:۴۷'۴۸'۴۹)

تواتر وتعدد کی صورت میں سچے خواب کو حجیت شرعیہ بھی بتایا گیا ہے :-

اگر کسی ایک شخص یا ایک واقعہ کے بارے میں کئی سچے خواب جمع ہو جائیں تو ان میں تو حجیت کی شان کچھ بڑھ ہی جانی چاہئیے اور نبوت میں تو ایسے منامات کو شرعی حجۃ تک کا درجہ دے دیا گیا ہے۔

لیلۃ القدر کو جب کہ متعدد صحابہؓ نے رمضان کے آخر عشرہ ہی میں خواب میں دیکھا تو نبی کریمؐ نے بھی اس کے عشرہ اخیرہ میں ہونے کا حکم فرمایا اور اس کی علت یہ فرمائی کہ:

انی اری رؤیا کم قد تواطئت علی انهار فی العشر الاواخر — میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے کئی خواب اس پر متفق ہو گئے ہیں کہ لیلۃ القدر عشرہ اخیرہ میں ہوتی ہے۔

جس سے واضح ہوتا ہے کہ خوابوں کی یکسانیت اور تواتر وتعدد کذب پر محمول نہیں کیا جا سکتا پس جیسے مؤمنین کا تواتر روایت' کو واجب القبول ......اور مورث ظن غالب یا بعض حالات میں مورث یقین بنا دیتا ہے اور جس طرح علماء کا توطور رائے (کہ وہ کس چیز کے استحسان یا استہجان پر اجتماع کر لیں تو وہ اسے واجب العمل بنا دیتا ہے کہ۔

ماراه المومنون حسناً فهوعنده الله حسن ۔ — جسے مومنین اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہی ہے۔

فرد واحد کا سچا خواب بھی حجت قرار دیا گیا ہے:-

اسی طرح اگر مؤمنین کے تواتر رویت منام کو بھی واجب القبول کہا جائے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ اور اگر ایک حد تک شرعیات میں بھی بطور حجت اس کا اعتبار کر لیا گیا ہو تو اس میں کیا قباحت ہے بلکہ بعض اوقات قرن نبوت میں صرف ایک ہی سچے خواب کو شرعی حکم کی بناء قرار دیا گیا ہے۔ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کی مشروعیت کے بارے میں عبداللہ ابن

زیدابن عبدربہ کے خواب کواذاں کی مشروعیت کی بناء قراردیااورارشادفرمایا کہ انھا لرویا حق قم یا بلال فاذن یہ خواب عبداللہ ابن عبدربہ کا سچا خواب ہے اس لئے اے بلال اٹھ اوراذاں دے۔

نبیؐ کی توثیق خواب کے فی نفسہ حجت ہونے کی دلیل ہے :-

یہ الگ بات ہے کہ وہ دورنبوت تھااورآپ کی توثیق سے خواب موجب ثبوت مسئلہ بن گیالیکن توثیق تو بہرحال خواب ہی کی کی گئی جس سے اتنا واضح ہوگیا کہ مؤمن کا سچا خواب کسی نہ کسی درجہ میں حجیت کی شان ضرور لئے ہوئے ہے ساقط الاعتبار نہیں۔

اب اگرآج بھی کوئی شخص یا چند اشخاص نعیم قبر کے بارہ میں کوئی قدر مشترک خواب میں دیکھتے ہیں تو اسے ظن غالب کے طور پر تسلیم کر کے بطور حجت کے تسلیم کیا جائے گا کہ فلاں شخص انشاءاللہ ضرور نعمتوں میں ہے اور مقبول ہے جیسا کہ اس قسم کے خوابوں کے متعدد واقعات عرض کئے گئے اور ان سے برزخی نعمتوں یا مصیبتوں کے جووقائع خوابوں کے سامنے آئے ان کی تکذیب نہیں کی جاسکے گی۔ (حوالہ: عالم برزخ' از: مولانا محمد طیب قاسمی دیوبندی' ص:۵۱'۵۲'۵۳)

تمہید کا مفہوم ومنشا اس حقیقت سے آگاہ کرنا تھا کہ عالم برزخ سے ہدایت' بشارت' مقام قرب کا انکشاف' منامی ملاقات کے واقعات' ظن غالب کے باب سے بطور حجت کے تسلیم کئے جاتے ہیں اس خصوص میں چند واقعات' جواہل اللہ سے متعلق ہیں۔مزید واقفیت وآگاہی کا وسیلہ ہیں۔

جویریہ بنت آسماء کوخواب میں برزخ سے ہدایت :-

سنید ابن داؤد کہتے ہیں کہ جویریہ ابن اسماء نے بیان کیا کہ شدید گرمی کے موسم میں کوفہ کے ایک نوجوان عابد کی وفات ہوئی تو میں نے ارادہ کیا کہ بعد ظہر وقت ٹھنڈا ہوجانے پر دفن کریں گے'اور میں سوگیا تو خواب میں دیکھا کہ میں قبرستان میں ہوں اور جواہرات کا ایک حسین و جمیل قبہ اور محل ہے جو چمک رہا ہے اور ٹکٹکی باندھے حیرت سے اس کے حسن اور صناعی کو دیکھ رہا ہوں کہ اچانک وہ کھلا اور اس میں سے ایک ایسی حسین وجمیل عورت نکلی کہ میں نے کبھی ایسا حسن و جمال نہیں دیکھا تھا وہ میری طرف بڑھی اور کہا کہ تمہیں خدا کی قسم کہ اس نوجوان کوظہر تک ہم سے

جدا نہ رکھو اور ہرگز نہ روکو' تو میں گھبرایا ہوا اٹھا اور اسی وقت کفن دفن کا سامان کیا اور اسی جگہ کی قبر میں دفن کیا' جہاں وہ قبہ دار محل نظر پڑا تھا۔

امام احمد بن حنبلؒ کا خواب میں اپنے مقام قرب کا اظہار :-

احمد بن محمد لبدی کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبلؒ کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا حضرت حق تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ فرمایا کہ میری مغفرت فرمادی اور یہ فرمایا کہ اسے احمد بن حنبل تیرے چہرے کو ستر ستر کوڑوں کی ماردی گئی تھی؟ عرض کیا ہاں یا اللہ ماردی گئی تھی: حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے احمد یہ میرا چہرہ تیرے لئے مباح ہے جب چاہے تو دیکھ سکتا ہے۔''

بشر ابن حارثؒ نے خواب میں اپنے ساتھ حق تعالیٰ کی مغفرت و تکریم کی اطلاع دی :-

ابو جعفرؒ کہتے ہیں کہ میں نے بشر ابن حارث مشہور امام صوفیاء کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا کہ آپ کے ساتھ حق تعالیٰ نے کیا معاملہ فرمایا' فرمایا لطف و کرم کا برتاؤ فرمایا اور نصف جنت میرے لئے مباح کردی کہ اس میں جہاں چاہو گھوموں سیر کروں او متمع ہوں اور جو میرے جنازہ میں شریک ہوئے ان کی مغفرت کا وعدہ فرمایا۔

میں نے عرض کیا کہ ابو نصر تمار کا کیا ہوا؟ فرمایا کہ وہ اپنے صبر اور فقر کی وجہ سے لوگوں سے بہت اونچے اٹھائے گئے ہیں۔

بصرہ کی ایک عابدہ زاہدہ کا خواب :-

حماد ہشام ابن حسان سے روایت کرتے ہیں کہ ام عبداللہ نے فرمایا جو بصرہ کی عابدہ زاہدہ عورتوں میں سے تھیں کہ میں خواب میں ایک عظیم الشان حسین و جمیل محل میں داخل ہوئی۔ اس کے پائیں باغ میں پہونچی میں اس کی رونق و بہار اور حسن و جمال کو بیان نہیں کرسکتی' وسط باغ میں ایک سونے کا مرصع تخت بچھا ہوا ہے جس کے اردگرد آفتاب و مہتاب جیسے چہروں کے خدام ہاتھوں میں پاکیزہ جام اور ظروف لئے کھڑے ہیں اور تخت پر ایک شخص تکیہ لگائے بیٹھے ہیں' کہا گیا کہ یہ مروانؔ محلمی ہیں جو ابھی ابھی آئے اور اچھل کر اس تخت پر متمکن ہوگئے' میں بیدار ہوئی تو دیکھا کہ مروان محلمیؒ کا جنازہ قبرستان جارہا ہے۔

عبداللہ ابن مبارکؒ پر سفیان ثوریؒ کے برزخی مقام کا خواب میں انکشاف :-

عبداللہ ابن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوریؒ کو ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا اور کہا کہ حق تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ فرمایا کہ الحمد للہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحابؓ سے مل گیا ہوں اور انہی کے پاس ہوں۔

صخر ابن راشد کی اہل برزخ سے منامی ملاقات:-

صخر ابن راشدؒ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ ابن مبارکؒ کو ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا اور کہا کہ کیا آپ انتقال نہیں فرما چکے ہیں؟ فرمایا ہاں' میں نے عرض کیا اللہ نے آپ کی ساتھ کیا معاملہ فرمایا اتنی بڑی مغفرت فرمائی جس نے سارے ذنوب پر احاطہ کرلیا' میں نے کہا سفیان ثوریؒ کا کیا ہوا' فرمایا اوہ اوہ وہ تو انبیاء وصدیقین اور شہداء وصالحین کی معیت میں ہیں۔

اہل برزخ کی جانب سے بعض امور کی بذریعہ خواب تصدیق :-

پھر یہی نہیں کہ خواب کے ذریعہ برزخی افراد کے احوال ومقامات ہی دنیا والوں کو معلوم ہوجاتے ہیں بلکہ دنیا والوں کو جو احوال واقوال برزخ والوں کو پہونچتے ہیں اس کی تصدیق بھی خوابوں کے ذریعہ ہوجاتی ہے کہ وہ احوال واقوال ان تک پہونچ چکے ہیں۔

شبیب بن شیبہ کہتے ہیں کہ میری والدہ نے مرتے وقت مجھے وصیت کی تھی کہ بیٹا جب تم مجھے دفن کرچکو تو میری قبر کے پاس کھڑے ہوکر کہنا کہ اے ام شبیب کہو لا الہ الا اللہ چنانچہ اس وصیت کے مطابق والدہ کی قبر جب برابر ہوگئی تو میں نے قبر کے پاس کھڑے ہوکر وہی جملہ کہا کہ اے ام شبیب کہو لا الہ الا اللہ ۔ جب میں قبرستان سے لوٹا تو رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ میری والدہ ام شبیب کہہ رہی ہیں کہ بیٹا میں ہلاک ہوجانے کی قریب آ چکی تھی' اگر تیرا لا الہ الا اللہ کہنا اس کی روک تھام نہ کرتا بلاشبہ تو نے میری وصیت یاد رکھی اور عمل کر دکھایا۔

ابن ابی الدنیا نے ذکر کیا ہے کہ ایوب ابن عیینہ کی بیوی' تماضر بنت سہل کہتی ہیں کہ میں نے حضرت سفیان ابن عیینہ (اپنے دیور) کو خواب میں دیکھا کہ وہ فرمارہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ میرے بھائی ایوب ابن عیینہ کو جزائے خیر دے کہ وہ بکثرت میری زیارت کو آتے رہتے ہیں اور آج بھی آئے تھے تو ایوب ابن عیینہ نے بیوی سے فرمایا کہ واقعی میں بکثرت بھائی کی قبر پہ جاتا

ہوں اور آج بھی وہیں تھا۔ (حوالہ عالم برزخ، از: مولانا طیب قاسمی دیوبندی، ص: ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹)

گشتہ گاں خنجر تسلیم کے اس باب میں ثانی صوفی سرمد، احمد حسین خاں امجد کا وہ خواب، جو ایک عاشق رسول نے دوسرے عاشق رسول ...... محمود بہادر خاں شہید کو رسالت مآب کے حضور میں دیکھا۔

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں آپ کی ایک جانب صدیق اکبرؓ اور دوسرے جانب حضرت عمر فاروقؓ بیٹھے ہیں۔ ایسے میں ایک جنازہ، حضور کی خدمت میں پیش ہوا صحابہ نے عرض کیا۔ حضور یہ کس کا جنازہ ہے۔

ارشاد فرمایا دو جہاں کے سردار صلعم نے یہ میرے حبیب، محمد بہادر خاں کا ہے۔ کچھ تعریف کے الفاظ نطق نبوی سے گوہر بار تھے کہ حضرت امجد کی آنکھ کھل گئی سچ ہے۔

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمرا دست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی ست!

عالم برزخ کے عنوان میں شہدا کے خاص مقام و مرتبہ کی قرآن نے بشارت دی ہے۔

کفی ببارقة السیوف علی راسه فتنة۔	(شہید کے) سر پر چہار طرف (میدان جنگ میں) تلواروں کی چمک کا فتنہ اور فتنہ برزخ کا بدل ہے۔ جو برزخ میں بچاؤ کے لئے کافی ہے اور ان کے لئے اس کے بعد برزخ میں کوئی ڈر اور فتنہ نہیں۔

شہدا کے مقام کا قرآن کریم نے تو اجمالاً ذکر فرمایا کہ وہ برزخ میں زندہ ہیں، رزق پاتے ہیں خوش بخوش ہیں بشارتیں اور خوشخبریاں پاتے رہتے ہیں، نہ ان پر غم ہے نہ خوف اور حدیث نبوی نے اسی مقام کی جزوی تفصیلات بھی بیان فرمائیں کہ ان کے بسیرے کی جگہ سونے اور زبرجد کے قندیل ہوں گے جو عرش میں آویزاں ہیں، وہ سبز پرندوں کے خول میں اڑتے اور جنتوں میں سیر کرتے پھریں گے اور وہاں کے باغوں اور نہروں سے سیراب ہو کر سرسبز و شاداب ہوتے رہیں گے انہیں نشاط میں لانے کے لئے حق تعالیٰ کی طرف سے سوال و جواب کا سلسلہ بھی جاری رہے گا کہ

ماتریدون ؟اور کیا چاہتے ہو؟

یا علی ماتشاؤن مجھ سے مانگو مجھے تمہاری خواہش کا پورا کرنا ہے۔

شہدا کو بدن بھی اس عالم کو دیا جائے گا جو پرندوں کی شکل میں ہوگا۔

(حوالہ عالم برزخ' از: مولانا طیب قاسمی دیوبندی' ص:۱۸'۱۹)

شہید پر وہ موت طاری نہیں ہوتی جن کو عرف عام میں موت کہا جاتا ہے تو اللہ کے فضل اور شہیدا کی اس معراجی منزل میں راہ حق کا نذرانہ' قبول ہوجانا' افصال الہیٰ کی کیسی نرالی شان ہے۔ حق سبحانہ تعالیٰ اس حقیقت کو بے نقاب فرماتے ہیں کہ جس کو تم موت کہتے اور سمجھتے ہو' وہ حقیقت میں موت نہیں ہے۔ ہماری راہ میں جان دے کر تم ''مطلق عالم ممات'' میں نہ چلے جاؤ گے بلکہ پھر بھی زندہ ہی رہو گے اور ہمارے رزق کے مزے اس حال میں بھی تم کو نصیب ہوں گے۔

ولا تحسبن الذی قتلوا فی سبیل الله اموات بل احیاء عند ربهم یرزقون ۔ (۱۷:۳)	اور تم ان لوگوں کو جو خدا کی راہ میں مارے جاتے ہیں مرا ہوا نہ سمجھ۔ وہ تو زندہ ہیں۔ ان کے رب کے پاس انہیں رزق دیا جاتا ہے۔
ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل الله اموات بل احیاء ولکن لاتشعرون o	اور تم ان لوگوں کو مردہ نہ کہو جو اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں' وہ تو زندہ ہیں مگر تم جانتے نہیں ہو۔

غور سے دیکھیئے یہ نہیں کہا کہ جو لوگ فی سبیل اللہ مارے جاتے ہیں ان پر وہ موت طاری نہیں ہوتی جس کو عرف عام میں موت کہا جاتا ہے بلکہ یہ فرمایا کہ ان کی موت کو حقیقی موت نہ سمجھو۔

برزخ' از: مولانا ابواعلیٰ مودودی' ص:۳۹

شہداء یعنی مقتولین'' فی سبیل الله '' جن کی زندگی کی قرآن نے تصریح فرمادی ہے۔ وہ برزخ یعنی آڑ میں نہیں بلکہ ''عند ربهم'' اپنے رب کی حضوری میں ہیں جہاں ان کو نئی زندگی مل گئی ہے اور وہ روزی پاتے ہیں۔

ولا تحسبن الذين قتلوا فی سبیل الله امواتا بل احیا عند ربهم یرزقون ۔ (۱۶۹:۳)

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ان کو مردہ ہرگز نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کی حضوری میں روزی پاتے ہیں۔

(حوالہ: عالم برزخ ٗاز: اسلم جیراج پوری ٗص: ۷)

بالاخر مقام عشق حد کمال بندگی کی سرحدوں سے گذر کر موجب قرب تمام عین ذات ہوا۔ اور محمد بہادر خاں شہید نے الحمد اللہ (عند ربہم) اپنے رب کی حضوری میں جگہ پائی۔

یاذ الجلال والکرام

(اے عظمت وجلال اور احسان واکرام کے مالک)

◆◆◆